سلسلۂ آصفیہ

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا عطر، اور قدماء صوفیہ کی تصانیف پر تبصرہ،

طبع ثانی بعد اضافۂ نظر ثانی،

مؤلفہ

عبد الماجد

مرتب ملفوظات مولانائے روم و مدیر "سچ"

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ بچاپ رسید

ملنے کا پتہ:- دار المصنفین اعظم گڈھ

قیمت عمر

فہرستِ مضامین

صفحہ

بھی بڑی تلاش ودیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں، حاشا ثم حاشا، یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا، جو خود حضرت سرور کائنات صلعم کا تھا، جو ابوبکر صدیق رضؓ و علی مرتضیٰ رضؓ کا تھا، جو سلمان رضؓ و ابو ذر رضؓ کا تھا، جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ، و رابعہ بصریؒ نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ و شیخ سہروردیؒ خواجہ اجمیریؒ، و محبوبؒ دہلوی، خواجہ نقشبندیؒ و مجدد سرہندیؒ کرتے رہے، اور جس کی دعوت، اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زبانِ قلم دیتی رہی،

خواجہ معین الدین اجمیریؒ، سلسلۂ چشتیہ کے مسلّم مقتدائے بزرگ گزرے ہیں، ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا فراہم کیا ہوا، شائع ہو چکا ہے، رسالۂ مذکور اول سے آخر تک نماز و عبادات کی تاکید اور اتباعِ سنت رسولؐ کے فضائل سے لبریز ہے، وضو وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ آج اکثروں کو فرائض میں اس کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں، اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابلِ ذکر بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے، جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش وصوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم متشرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے،

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک اور گوہر درخشاں خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلویؒ تھے جن کے ملفوظات میں سب سے زیادہ معتبر رسالہ فوائد الفواد (مرتبہ امیر حسن علاء سجزیؒ) اور حالات و سوانح میں رسالۂ سیر الاولیا (مرتبہ میر خورد دہلویؒ) موجود ہیں، ان رسائل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"بندہ را پیش طلبید و فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و عبادت باشی"، (صـ ۲۷ فوائد الفواد مطبوعہ نولکشور) در حکایت جماعت متحیران افتاد ...... یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم و این چنین ہفت کس را دیدم دو چشم در آسمان داشتہ شب و روز

متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقت نماز در می آمد، ایشان نماز می گذاردند و باز ہمچنان متحیر می ماندند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیا معصوم اند و اولیا محفوظ ہمچنین باشند، کہ گفتی، اگرچہ شب و روز متحیر باشند اما نماز ایشان فوت نہ شود" (ص۱۹۴ ایضاً)

"چون عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید، پنج وقت نماز بجہت جماعت از بالاے بام جماعتخانہ کہ عمارتے بس رفیع است فرود آمدے، و با درویشان و عزیزان کہ در آن جمع ملکوت حاضر می شدندے، نماز گذاردے۔" (سیر الاولیاء ص۱۲۴)

اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں، صحیح اسلامی تصوف کا نمونہ تھیں تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی،

عہد نبوت سے تقریباً ایکہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندیؒ پیدا ہوئے جنھون نے نہ صرف سلسلۂ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسلِ تصوف مین تجدید و اصلاح کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا، کہ اس کی صداے باز گشت آج تک دنیاے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے، شیخ موصوفؒ کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک مین شائع ہو چکے ہین، ان مین شروع سے آخر تک مختلف اسلوبون اور پیرایون مین صرف ایک ہی دعوی کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے، اور وہ یہی ہے، کہ صوفیہ کو عقائد و اعمال ہر شے مین کتاب و سنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہیے اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہون انھین مردود سمجھنا چاہیے، چند اقتباسات ملاحظہ ہون:-

"و بدانکہ از جملۂ ضروریات طریق مسالک اعتقاد صحیح است کہ علماء اہل سنت آن را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند۔۔۔۔۔ و اگر بالفرض خلاف آن معانی مفہومہ بکشوف و الہام امرے ظاہر شود، آن را اعتبار نہ باید کرد و از آن استعاذہ باید نمود" (مکتوبات مجددی حصہ ۱ صفحہ ۱ مطبوعہ امرتسر)

"شریعت را صورتے ست وحقیقتے، صورتش آن ست کہ علمائے ظواہر بہ بیان آن متکفل اند و حقیقتش آن کہ صوفیۂ علیہ بہ آن ممتاز اند" (حصہ ۲ صفحہ ۵۷)

"آنچہ بر ما فقیران لازم ست دوام ذل ست و اختقار و انکسار و تضرع و التجا و ادائے وظائف عبودیت و محافظت حدود شرعیہ و متابعت سنت سنیہ" (حصہ ۲ ص۵۶)

"ولایت را درجات اند بعضہا فوق بعض، زیرا کہ بر قدم ہر نبی ولایت است مخصوص بآن، و اقصائے درجات آن ولایت آن درجہ ایست کہ بر قدم پیغمبر ماست ..... و ازین مقام عزیز الوجود نصیب کامل و حظ وافر حاصل ست مر کمّل تابعان آن سرور را علیہ الصلوٰۃ والسلام پس لازم گیرید متابعت آنحضرت را صلعم اگر شما یان تحصیل این دولت قصوی و تکمیل این درجۂ علیا متوجہ اید" (حصۂ اول ص۱۲۸)

"محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین است ہر چیز کہ خوب و مرغوب است از برائے مطلوب محبوب است لہذا حق سبحانہ تعالیٰ در کلام مجید خود می فرماید اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ و نیز می فرماید تعالیٰ و تقدس اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ و نیز فرمودہ تعالیٰ و تقدس اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ملت او را علیہ الصلاۃ والسلام صراط مستقیم خواند و ماسوائے او را داخل سبل گردانیدہ، و اتباع آن منع فرمودہ .... باطن متمم ظاہر است و مکمل آن، سر موئے با یکدگر مخالفت ندارد ...... پس سالکان سبل طریقت و حقیقت را اگر در اثنائے راہ امورے کہ بہ ظاہر با شریعت در جنگ اند ظاہر شوند و ظاہر سازند مبنی بر سکر وقت و غلبۂ حال است، اگر از آن مقام گذر انند و بہ صحو آرند، آن منافات بالکلیہ مرتفع می شود و آن علوم متضادہ بہ تمام ہباءً منثوراً میگردند" (ایضاً، حصہ ۲ ص۱۳۰)

مکتوبات مجددی کی ایک ایک سطر اسی تعلیم محمدی سے لبریز ہے،

دور آخر میں بھی دعوت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مختلف تصانیف، وصایا، القول الجمیل، حجۃ اللہ البالغہ، فوز الکبیر، وغیرہ کے ذریعہ سے پیش کی، نیز ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی ملفوظات، فتاوی، و اجزائے تفسیر کے اوراق میں اور آج بھی یہی پیام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (تھانہ بھون) کے در و دیوار سے مل رہا ہے،

اس رسالہ کو، افسوس ہے کہ بعض وجوہ سے بہت مختصر رکھنا پڑا، طبع دوم کی نوبت اگر آئی تو انشاء اللہ چند مزید ابواب کا اضافہ کر دیا جائے گا، خدائے پاک و برتر اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے، اور دور حاضر کے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصوف کے سمجھنے اور اس کے اختیار کرنے کی توفیق نصیب کرے،

عبد الماجد

دریاباد، بارہ بنکی،

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

باب (۱)

کتاب اللمع

(شیخ ابو النصر سراجؒ)

سلسلہ کی پہلی قسط مین کتاب اللمع کو پیش کیا جاتا ہے، جو عربی زبان مین تصوف کے موجودہ معلوم مستند ذخیرہ مین غالبًا سب سے قدیم کتاب[1] ہے، مصنف کا نام شیخ ابو النصر سراجؒ ہے، جن کا سالِ وفات اغلبًا ۳۷۸ھ ہے، یہ علم نہین کہ وفات سے کتنے سال پہلے یہ کتاب تحریر کی، تصنیف کے خصوصیات دریافت کرنے سے قبل مصنف کی شخصیت سے نیاز حاصل کر لینا بہتر ہو گا،

(۱) مصنف

پورا نام عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحیٰی ابو النصر سراجؒ تھا، وطن طوس تھا، مرقد بھی یہین[2] ہے، لقب طاؤس الفقرا تھا[2]، آبا و اجداد زہد مین خاص شہرت رکھتے تھے، خود سراجؒ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، ذہبی اپنی تاریخ الاسلام مین علامہ عبد الرحمان سلمی کی تاریخ الصوفیہ کی سند سے لکھتے ہین،

قال السلمی کان ابو النصر من اولاد الزھاد وکان المنظور الیہ فی ناحیتہ فی الفتوۃ و لسان القوم مع الاستظھار بعلم الشریعۃ

---

[1] بہ استثنا رسالہ القصد الی اللہ کے، جس کے وجود کا علم راقم سطور کو اس تالیف کے پریس مین بھیجتے وقت ہوا، انشاء اللہ عنقریب رسالہ مذکور کو طبع کر کے شائقین کے ہاتھون تک پہونچایا جائیگا، [2] نفحات الانس، جامی صفحہ ۳۱۹ (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۹ء) [illegible]

وھو فقیہ مشائخہم الیوم[۱]

شیخ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہین، ''درفنون علم کامل بود''

اساتذہ مین جعفر الخلدیؒ، ابوبکر محمد بن داؤد الدقیؒ، و احمد بن محمد سایحؒ کے نام قابلِ ذکر ہین، بیعت ابومحمد مرتعش سے تھی[۲] مولانا جامیؒ وغیرہ متعدد تذکرہ نویسون نے سری سقطیؒ وسہل تستریؒ سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے لیکن پروفیسر نکلسن کی تحقیق مین یہ روایت قطعاً غلط ہے[۳]،

تصوف پر متعدد کتابین تصنیف کین[۴] لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی موجود نہین، بلکہ اُن کے نام تک بھی مٹ گئے ہین،

تصوف مین جو بلند مرتبہ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جیسے مسلم شیخ الشیوخ ان کا تذکرہ ان الفاظ مین کرتے ہین[۵]، ''آن عالم عارف، آن حاکم خائف، آن امین زمرۂ کبرا، آن نگین حلقۂ فقرا، آن زبدۂ امشاج، شیخ وقت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، امامے بر حق بود و یگانۂ مطلق و متعین و متمکن، و او را طاؤس الفقرا گفتندے، و صفت و نعت او نہ چندان است کہ در قلم و بیان آید و یا در عبارت و زبان گنجد، و در فنون علم کامل بود، و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت، و در حال و قال و شرح دادن بہ کلمات مشائخ آیتے بود''

اس قسم کے الفاظ مختصراً مولانا جامیؒ وغیرہ نے بھی استعمال کئے ہین، ان کے چند ارشادات جو تذکرون مین محفوظ رہ گئے ہین، ان سے بھی اہل ذوق مرتبۂ کمال کا اندازہ کر سکتے ہین،

۱؎ یہ پوری عبارت پروفیسر نکلسن کے مقدمۂ کتاب اللمع سے منقول ہے، ۲؎ نفحات جامی، نکلسن کے نزدیک یہ روایت مشتبہ ہے، ۳؎ مقدمۂ کتاب اللمع، ۴؎ نفحات الانس جامی و سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ، صفحہ ۱۵۲ (نولکشور)

۵؎ تذکرۃ الاولیاء عطارؒ صفحہ ۱۸۲ جلد ۲ (مطبوعۂ یورپ)

فرماتے تھے، "عشق اُس آگ کا نام ہے، جو عاشقون کے دل اور سینے مین جلتی رہتی ہے، اور خدا کے سوا جو کچھ ہے، اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے[1]"

یہ بھی ارشاد تھا، کہ بلحاظ ادب انسانون کے تین طبقے ہین، ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے، کہ انکے نزدیک ادب نام ہے فصاحت، بلاغت، وحفظِ علوم وفنون واسماے ملوک واشعارِ عرب کا، دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے، جس کے نزدیک ادب سے مراد عبادت جوارح وحفاظتِ حدود وترکِ شہوات وریاضتِ نفس ہے، تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہان ادب سے مفہوم طہارتِ دل، مراعاتِ سِر، وفاے عہد، نگہداریِ وقت، نیکو کرداری، وقتِ حضور ومقامِ قرب ہے[2]،

ایک تیسرا ارشاد ہے، جس کے الفاظ کی نزاکت اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہو سکے گی، اسے اصل فارسی مین سننا چاہیے:-

"نیت بخدا است واز خدا وبراے خدا است، وآفاتی کہ در نماز افتد از نیّت افتد واگرچہ بسیار بود وآن را موازنہ نتوان کرد، با نیّتے کہ خدا را بود وبخداے بود[3]"

ایک بار ماہِ رمضان مین بغداد مین وارد ہوئے، اور مسجد شونیزیہ کے ایک حجرے مین معتکف ہوئے، درویشون نے متفق ہو کر نماز مین اپنا امام بنایا، ماہ مبارک کی تراویح مین پانچ بار قرآن مجید ختم کیا، روزانہ افطار کے وقت خادم ایک روٹی حجرہ مین پہونچا آتا تھا، عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے، خادم نے حجرے مین جا کر دیکھا، تو پوری روٹیان جون کی تیون رکھی ہوئی پائین[4]،

ایک مرتبہ سردی کے موسم مین شب کے قریب آتشدان کے قریب تشریف فرما تھے، چند اور اہلِ دل حضرات بھی تھے، معرفتِ الٰہی پر گفتگو ہو رہی تھی، دفعۃً شیخ پر زور کی کیفیت طاری ہوئی اور جوش مین آکر دہکتی ہوئی آگ مین سجدے مین گر پڑے، مریدین خوفزدہ ہو کر باہر بھاگے،

[1] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ (مطبوعۂ یورپ) [2] ایضاً، [3] ایضاً [4] ایضاً، نیز کشف المحجوب شیخ علی ہجویری صفحہ ۱۴۲ (لاہوری)

دوسرے روز آئے تو دیکھا کہ شیخ کے چہرہ پر جلنے کا خفیف داغ تک بھی نہین، بلکہ چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے، عرض کیا "حضور والا یہ کیا ماجرا ہے، ہم تو سمجھ رہے تھے، کہ سارا چہرہ جل گیا ہوگا،، ارشاد ہوا کہ "جس نے درگاہ الٰہی پر اپنی آبرو دیدی، اس کے چہرہ کو آگ نہین جلا سکتی،" [1]

ایک روایت مشہور کے مطابق وفات سے قبل فرمایا، کہ جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لیکر نکلین گے، اس کی مغفرت ہو جائیگی، چنانچہ طوس مین ابتک یہ دستور چلا آتا ہے، کہ ہر جنازہ کو پیشتر آپ کے مزار پر لاتے ہین، [2]

(۲) تصنیف

آج سے چند سال قبل دنیا کتاب اللمع کے صرف نام سے آشنا تھی، ۱۹۰۹ء مین انگلستان کے نامور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے جو کیمبرج مین فارسی زبان کے پروفیسر ہین، اور کتب تصوف سے ذوق نہین بلکہ عشق رکھتے ہین، اس کے دو قلمی نسخہ دریافت کئے، ایک نسخہ ایک انگریز مسٹر ایلز کے پاس نکلا اور دوسرا انگلستان کے مشہور و معروف کتبخانہ برٹش میوزیم کو کہین سے ہاتھ لگ گیا تھا، پہلا نسخہ ۱۹۷ ورق کی ضخامت رکھتا ہے، اور صاف و خوشنما خط مین احمد بن محمد الطاہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، ختم کتابت کی تاریخ ۰ ار ربیع الثانی ۶۸۳ھ (مطابق ۲۶ جون ۱۲۸۴ء) درج ہے، جس نسخہ سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، اس کی تاریخ اس نسخہ پر ۹ شعبان ۶۶۶ھ (مطابق ۱۸ اپریل ۱۲۶۸ء) درج ہے، مختلف اشخاص کے حواشی بھی اس نسخہ پر موجود ہین، یہ نسخہ کسی قدر کرم خوردہ ہے، جس سے جا بجا حواشی اڑ گئے ہین، اور ایک جگہ مسلسل دس پندرہ ورق غائب ہوگئے ہین، جس کے باعث مستقل پانچ ابواب اور چھٹے باب کے ابتدائی جزء سے دنیا محروم ہوگئی ہے، دوسرا نسخہ مملوکہ برٹش میوزیم بہت بدخط، کرم خوردہ اور ناقص ہے، تاہم اس کا زمانۂ کتابت، بہ مقابلہ نسخۂ اول کے زمانۂ مصنف سے قریب تر ہے، اس کی

[1] تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء [2] ایضاً،

زمانۂ کتابت جمادی الثانی ۵۴۲ھ (مطابق اگست وستمبر ۱۱۵۳ء) درج ہے،

پانچ برس کی جان فشانی و دیدہ ریزی کے بعد پروفیسر نکلسن نے اِن دونون نسخون کے مقابلہ کے بعد اصل کتاب کو غایتِ صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۱ء مین شائع کر دیا، اور اس پر اشیائے ذیل کا اضافہ کیا،

(۱) شروع مین نہایت مفصل فہرستِ مضامین دی،

(۲) آخر مین نہایت مبسوط فہرستِ رجال و نساء، اماکن و قبائل، و کتب وغیرہ مندرجۂ مذکرۃ الابرار شامل کی،

(۳) فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) بہت کثرت سے دیئے، دونون نسخون مین جو اختلاف پائے جاتے ہین، ان کے جزئیات تک کو ان حواشی مین درج کر دیا ہے،

(۴) ساری کتاب کا ملخص ترجمہ انگریزی مین کرکے شامل کیا،

(۵) مصنف نے جو غریب و نامانوس الفاظ استعمال کئے ہین، ان کی مفصل فرہنگ دی اور انگریزی مین ان کے معانی کو حل کیا،

(۶) فہرستِ مضامین انگریزی مین بھی دی،

(۷) جن اسماء و اعلام سے متعلق کوئی اہم بحث کتاب اور اس کے انگریزی خلاصہ مین موجود ہے اُن کی بھی مفصل فہرست انگریزی مین شامل کی،

(۸) انگریزی مقدمہ مین مصنف تصنیف، اور موضوعِ تصنیف کو روشناس کیا،

(۹) ان چالیس صوفیۂ کرام کی فہرست جنکی شخصیت یا جنکی تصانیف سے شیخ سراج نے استفادہ کیا ہے، مع ضروری تصریحات کے انگریزی مین شامل کی،

(۱۰) شیخ نے بہت سے ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے جنکا نام دوسری کتابون مین بالکل نہین

آیا ہے، یا نادراً آیا ہے، اس قسم کے ایک سو بیس صوفیۂ کرام کی فہرست مع ان کے حالات کے جہان تک معلوم ہوسکے انگریزی مین درج کی،

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اضافے کئے، ان خصوصیات معنوی کے پہلو بہ پہلو نہایت اعلیٰ کاغذ اور حسنِ طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ کتاب شائقین کے ہاتھون تک پہونچ رہی ہے،

کتاب کا پورا نام کتابُ اللُّمع فی التصوف ہے، ملا جامی کی نفحات الانس مین اس کتاب کا املا کتاب اللمعہ درج ہے، لیکن اور ہر کتاب مین اس کا املا بجائے اللمعہ کے اللُّمع ملتا ہے، اور نکلسن نے بھی اسی کو قائم رکھا ہے،

متنِ کتاب کی ضخامت ۴۳۸ صفحہ کی ہے، مقدمۂ مصنف چالیس صفحہ تک آیا ہے جو اس قسم کے مباحث پر شامل ہے، باب البیان عن علم التصوف، باب فی نعت طبقات اصحاب الحدیث، باب الکشف عن اسم الصوفیہ، باب اثبات علم الباطن، باب التصوف ماہو، باب صفۃ الصوفیہ ومن ہم، باب التوحید وصفۃ الموحد، اس کے بعد منطقی ترتیب کی پابندی کے ساتھ کتاب حسب ذیل حصون مین تقسیم ہے،

(۱) کتاب الاحوال والمقامات، (ص ۴۱-۷۱) اس کے ماتحت مقامات، احوال اور ان کے حقائق مین سے ہر شے پر الگ الگ ایک باب مین بحث کی گئی ہے، مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبۃ، باب حال الشوق، باب حال المشاہدہ، باب حال الیقین وقس علیٰ ہذا،

(۲) ان اصطلاحات صوفیہ کی تشریح کے بعد آغازِ کلام، کتاب اللہ سے کیا ہے، اور اس حصہ کا نام کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ رکھا ہے، (ص ۷۲-۹۲) اس کے تحت مین اس قسم کے ابواب ہین،

باب الموافقہ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ تعالیٰ ودرجاتہم فی قلوبہم

باب وصف ارباب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر السابقین والمقربین والابرار من طریق الفہم والاستنباط وغیرہ،

(۳) وکتاب" کے بعد ہی قدرۃً "سنت،" کا ذکر آنا چاہیے چنانچہ یہ حصہ کتاب الاسوۃ و الاقتداء برسول اللہ صلعم سے موسوم ہے (ص ۹۳-۱۰۰) اس کے تحتانی الواب کے عنوانات اس قبیل کے ہین، باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقۃ والاتباع للنبی صلعم، باب ما روی عن رسول اللہ صلعم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ التی اختارہا اللہ تعالی، باب ماذکر عن المشایخ فی اتباعہم رسول اللہ صلعم وتخصیصہم فی ذالک،

(۴) کتاب المستنبطات، (ص ۱۰۱-۱۱۸) اتباع قرآن وحدیث کے بعد ترتیباً انھین احکام وشعائر کا ذکر آنا چاہیے جو ان پر متفرع اور ان سے مستنبط ہوتے ہین، چنانچہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر یہ حصہ ملتا ہے، اس کے ذیل مین اس قسم کے مباحث مندرج ہین، باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحۃ فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقیقۃ فی معنی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم وغیرہ،

(۵) کتاب الصحابہ رضوان اللہ عنہم (ص ۱۱۹-۱۴۲) قدیم صوفیہ کرام اتباع سنت نبوی کے بعد آثار صحابہؓ کی پیروی اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے، اس لئے قدرۃً ایک مستقل حصہ انکی نذر ہے، اس کے ذیلی ابواب مین خلفاے اربعہؓ پر اصحابؓ صفہ پر اور عام اصحابؓ نبوی پر الگ الگ عنوان کے تحت مین گفتگو کی ہے،

(۶) کتاب آداب المتصوفہ (ص ۱۴۳-۲۱۰) اس کے تحتانی الواب کے چند عنوانات یہ ہین، باب آدابہم فی الوضوء والطہارۃ، باب فی ذکر آدابہم فی الصلوۃ، باب ذکر آدابہم فی الزکوۃ والصدقات

باب فی ذکر الصوم و آدابہم فیہ، باب ذکر آدابہم فی الحج، باب فی ذکر آداب الفقراء بعضہم مع بعض، باب ذکر آدابہم فی الصحبۃ، باب ذکر آدابہم عند مجاراۃ العلم، باب ماذکر من آدابہم فی وقت الطعام، باب فی ذکر آدابہم فی وقت السماع والوجود، باب فی ذکر آدابہم فی اللباس، باب فی ذکر آدابہم عند الموت

(۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ (ص ۲۱۱-۲۳۱) اس حصہ مین صوفیۂ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیئے ہین جنکا حل کرنا فقہا و علمائے ظاہر کے لئے دشوار ہے، مثلاً جمع و تفرقہ، مسئلۂ فنا و بقا، مسئلۂ صدق، مسئلۂ اخلاص، مسئلۂ ذکر، مسئلۂ روح، وغیرہ اس حصہ کو مختلف ابواب مین تقسیم نہین کیا ہے،

(۸) کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل (ص ۲۳۲-۲۶۶) اس حصہ مین جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے، حضرات صوفیہ کے مکتوبات، رسائل، اشعار، دعوات، وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور ہر ایک کو ایک علٰحدہ باب مین لکھا ہے،

(۱۰) کتاب السماع (ص ۲۶۷-۲۹۹) صوفیہ و علمائے ظاہر کے درمیان اور خود صوفیہ مین باہم ایک اہم اختلافی موضوع مسئلۂ سماع ہے، یہ حصہ اس مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لئے وقف ہے، اس کے ماتحت چند ابواب کے عنوانات یہ ہین، باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین، باب فی وصف سماع العامۃ واباحۃ ذلک، باب فی وصف سماع الخاصۃ وتفاضلہم فی ذلک، باب فی ذکر طبقات المستمعین، باب فی وصف سماع المریدین والمبتدئین، باب فی وصف خصوص الخصوص واہل الکمال فی السماع،

(۱۰) کتاب الوجد (ص ۳۰۰-۳۱۴) اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا، باب فی ذکر اختلافہم فی ماہیۃ الوجد، باب فی صفات الواجدین، باب فی ذکر تواجد المشایخ الصادقین، باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک وقس علیٰ ہذا،

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات، (ص ۳۱۵-۳۲۲) کراماتِ اولیا، کا مفہوم صحیح، ان کے اثبات کے دلائل، معجزاتِ انبیاؑ سے انکا فرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے، جو اس حصہ مین آگئے ہین، عنواناتِ الابواب کا نمونہ یہ ہے، باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات للاولیاء، باب فی ذکر مقامات اہل الخصوص فی الکرامات،

(۱۲) کتاب البیان عن المشکلات، (ص ۳۲۳-۳۷۴) اس حصہ مین کل دو باب ہین، پہلے باب مین ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جو صوفیہ کی زبان مین مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہین، مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، مشاہدہ، سیر، کشف، فنا، لقا، توحید، تجرید وغیرہ اور باب دوم مین ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے،

(۱۳) کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع وباطنہا صحیح مستقیم (ص ۳۷۵-۴۳۴) یہ کتاب کا آخری حصہ ہے، جو پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے، اس مین شطحیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح ہے، نیز ان غلط فہمیون کی اصلاح جنمین اکثر علماء ظاہر و صوفیہ ناقص مبتلا رہتے ہین، چند ابواب کے عنوانات یہ ہین، باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم وبیان ما شکل علی فہم العلماء من علوم الخاصۃ وتصحیح ذلک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات تحکی عن ابی یزید، باب فی ذکر ابی الحسین النوری، باب فی ذکر من غلط من المترسمین بالتصوف ومن این یقع الغلط وکیف وجوہ ذلک، باب فی ذکر من غلط فی الاحوال، باب فی ذکر من غلط فی النبوت والولایت، باب فی ذکر من غلط فی فناء البشریۃ، باب فی ذکر من غلط فی الانوار، باب فی ذکر من غلط فی الروح وغیرہ،

ان عنوانات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہوگا، کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہین، مصنف نے ان مین سے کسی کو بھی نظر انداز نہین ہونے دیا ہے، ہر ضروری شعبہ کو لیا ہے اور اس پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے، حضرت مصنف کی زبان مین بھی خاص

سلاست و سادگی ہے، اس لئے جو اشخاص (راقم سطور کی طرح) عربی زبان سے بہت ہی سرسری واقفیت رکھتے ہین وہ بھی مستفید ہوسکتے ہین، ذیل مین کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباسات دیئے جاتے ہین، جن سے نوعیت و مرتبۂ تصنیف کا پورا اندازہ ہوسکے گا،

ایک غیر صوفی کے دل مین سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف ہے کیا شے، اور آیا خود اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہے؟ حضرت مصنف اس کے جواب مین کہتے ہین، کہ خداوند تعالی نے قرآن مجید (سورۂ آل عمران، آیت ۱۸) مین شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ہو والملئکۃ و اولوالعلم قائما بالقسط فرماکر

ثم ذکر اللہ تعالی افضل المومنین عندہ درجۃ و اعلاہم فی الدین مرتبۃ فذکرہم بعد ملئکتہ وشہد علی شہادتہم لہ بالوحدانیۃ بعد ما بدا بنفسہ وثنی بملائکتہ فقال عز وجل شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ہو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط وروی عن النبی صلعم انہ قال العلماء ورثۃ الانبیاء عندی واللہ اعلم ان اولی العلم القائمین بالقسط الذین ہم ورثۃ الانبیاء ہم المعتصمون بکتاب اللہ تعالی المجتہدون فی متابعۃ رسول اللہ صلعم المقتدون

تمام مومنین سے بلند و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے، جو اولوالعلم اور قائم بالقسط ہین، اور ملائکہ کے بعد انھین کا ذکر کیا ہے اور اپنی توحید پر خود اپنی اور اپنے ملائکہ کے بعد انھین کی شہادت پیش کی ہے، اور حضور سرور کائنات صلعم نے بھی علما کو جانشین انبیاء ارشاد فرمایا ہے، سو یہ القاب میرے خیال مین، ان لوگون کے حق مین وارد ہین، جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم کی متابعت کے پورے کوشان، اور صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر چلنے والے اور خدا کے اولیاء و متقین کی راہ اختیار کرنے والے ہین، ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ مین رکھا جاسکتا ہے،

ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا فقہاء کا اور تیسرا

بالصحابة والتابعين السالكون سبيل اولیٰئہ المتقین وعبادة الصالحين هم ثلثة اصناف اصحاب الحديث والفقهاء والصوفية فهؤلاء الثلثة الاصناف من اولی العلم القائمين بالقسط

[illegible]

تیسرا طبقہ صوفیائے کرام کا ہے یہی طبقات ثلثہ اولوالعلم، قائمین بالقسط، اور وارثین انبیاء کے جانے کے مستحق ہین،

بہت سے امور صوفیہ اور اصحاب حدیث و فقہا کے درمیان مشترک ہین، مثلاً جو معتقدات ان کے ہین وہی اِن کے بھی ہین، اتباعِ کتاب اللہ وسنت نبوی وہ اور یہ دونون اپنے لئے واجب سمجھتے ہین علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہین، یہ بھی کام لیتے ہین،

ثم انهم من بعد ذلك ارتقوا الى درجات عالية وتعلقوا باحوال شريفة ومنازل رفيعة من انواع العبادات وحقائق الطاعات والاخلاق الجميلة ولهم فى معانى ذلك تخصيص ليس لغيرهم من العلماء

[illegible]

لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ انواعِ عبادات وحقائقِ طاعات و اخلاقِ جمیلہ مین سے جن درجات عالیہ و منازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہین، وہان تک علما فقہا اور اصحاب حدیث کی رسائی بھی نہین ہو سکتی،

صوفیہ کے امتیازی خصوصیات جنمین دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہین حسب ذیل ہین، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے، غیر اللہ سے وہ کسی صورت مین بھی دل کو نہین اٹکاتے، ان کی لو صرف اللہ سے لگی رہتی ہے،

فاول نوع من التخصيصات للصوفية . . . ترك ما لا يعنيهم وقطع كل علاقة تحول بينهم وبين مطلوبهم ومقصودهم اذ ليس لهم مطلوب ولا مقصود غير الله تعالى ،

صوفیہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا پر نظر رکھتے ہین، ان کا مقصود و مطلوب تمامتر خدا ہی ہوتا ہے، ماسوائے اور لایعنی مشاغل سے انھین کوئی واسطہ نہین ہوتا،

اِس کا لازمی اثر اُن کی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ :-

فمن ذلك والقناعة بقليل الدنيا عن كثيرها
والاكتفاء بالقوت الذی لابد منه والاختصار
علی ما لابد منه من مهنة الدنيا من الملبوس
والمفروش والماكول وغير ذلك واختيار الفقر
علی الغنا ومعانقة القلة ومجانبة الكثرة وايثار
الجوع علی الشبع والقليل علی الكثير وترك
العلو والترفع وبذل الجاه والشفقة علی الخلق والنصح لهم والانصاف للمسلمين
وحسن الظن بالله والاخلاص فی المسابقة
الی الطاعات والمسارعة الی جميع الخيرات والتوجه
الی الله تعالی والانقطاع اليه والعكوف
علی بلائه والرضا عن قضايه والصبر علی
دوام المجاهدة والمخالفة الهوی ومجانبة
حظوظ النفس والمخالفة لها اذ وصفها
الله تعالی امارة بالسوء والنظر اليها بانها
اعدی عدوك التی بين جنبيك كما روی
عن رسول الله صلعم۔
(ص۱۴)

وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، قلیل کو کثیر پر
ترجیح دیتے ہیں، غذا، لباس اور ہر قسم کے سامان دنیوی
سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے ہیں، اور بجاے
تونگری کے تنگدستی، بجاے سیری کے گرسنگی،
بجاے افراط کے قلت، بجاے جاہ و ترفع کے تواضع
وانکسار، چھوٹے بڑے کے مقابلہ میں اپنے لیے
پسند کرتے ہیں،
خدا سے حسن ظن رکھتے ہیں، تمام علائق و اسباب سے
قطع نظر کر کے صرف اسی پر تکیہ رکھتے ہیں، نیکیوں
اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کیساتھ پیشقدمی
و تیزروی کرتے رہتے ہیں، بلاے الٰہی پر صابر اور
قضاے الٰہی پر راضی رہتے ہیں، مجاہدہ اور مخالفت
خواہش نفس میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کو یاد
رکھتے ہیں کہ کلام پاک میں نفس کو امارہ بالسوء سے
تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے
کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں
پہلوؤں کے درمیان ہے،

غرض اُن کے تمام اوصاف و اخلاق سنت نبوی و آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں،
اور موجودہ "پیرزادوں" اور سجادہ نشینوں کے "شاہانہ" طرز معاشرت سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی،

منکرین تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے، کہ قرآن وحدیث مین نہ کہین صوفیہ کا ذکر آیا ہے، نہ
تصوف کا، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہین ہو سکتا، لیکن حضرت مصنف جن تصوف
کے قائل ہین کلام مجید اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے، وہ فرماتے ہین، کہ قرآن مجید مین بکثرت ایسے الفاظ
وعبارات موجود ہین جن سے اہل تصوف ہی مراد ہین، مثلاً صادقین، صادقات، قانتین قانتات، خاشعین
موقنین مخلصین محسنین، خائفین، وجلین، عابدین، صابرین، راضین متوکلین مخبتین، اولیا، مصطفین
مجتبین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین مسارعین، الی الخیرات، نیز مشاہدین (مثلاً او القی السمع وھو
شہید) اور مطمئنین (مثلاً الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) اسی طرح متعدد احادیث مین بھی اسی طائفہ علیہ
کی جانب اشارات ہین، مثلاً

یہ حدیث کہ ان من امتی مکلمون ومحدثون وان عمر منہم

یا یہ کہ :-

یدخل بشفاعۃ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعۃ ومضر یقال لہ اویس قرنی

یا پھر یہ کہ :-

یدخل من امتی الجنۃ سبعون الفاً بلا حساب قیل من ہم یا رسول اللہ
قال ہم الذین لا یکتوون ولا یسترقون وعلی ربہم یتوکلون، ملخ

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے، کہ عہد رسالت مین کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہین کیا جاتا تھا اور
یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے، اس لیے اسے کوئی مذہبی وقعت نہین دیجا سکتی،

مصنف نے اس کا نہایت معقول و دلچسپ جواب یہ دیا ہے،

فنقول وباللہ التوفیق الصحبۃ مع رسول اللہ
صلعم لہا حرمۃ وتخصیص من شملہ ذلک

کہ اصحاب رسول صلعم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل
ہو ہی نہین سکتا تھا، اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل

فلا يجوز ان يعلق عليه اسم على انه اشرف من الصحبة وذلك لشرف رسول الله صلعم وحرمة الا ترى انهم ايمة الزهاد والعباد والمتوكلين والفقراء والراضين والصابرين والمخبتين وغير ذلك وما نالوا جميع ما نالوا الا ببركة الصحبة مع رسول الله صلعم فلما نسبوا الى الصحبة التي هي اجل الاحوال استحال ان يفضلوا بفضيلة غير الصحبة

تھے، سب سے اشرف واعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی کہ صحبت رسولؐ تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھکر ہے، ان کا زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے، ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا، پس جب کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا، تو اس کے فضائل کی انتہا ہوگئی اور کوئی محل ہی نہیں باقی رہا، کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائے،

باقی رہا یہ کہنا، کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ، اور متاخرین کی اختراع ہے، سو مصنف کی تحقیق میں یہ قول بالکل غلط ہے، اس لئے کہ یہ

واما قول القائل انه اسم محدث احدثه البغداديون فمحال لان في وقت الحسن البصري رحمة الله عليه كان يعرف هذا الاسم وكان الحسن قد ادرك جماعة من اصحاب رسول الله

یہ لفظ حسن بصریؒ کے زمانہ میں رائج تھا، درآنحالیکہ حسن بصریؒ کا زمانہ بعض صحابیوں کی معاصرت کا تھا، چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا ہے،

بلکہ کتاب اخبار مکہ کی ایک روایت کے بموجب یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا، اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لیے مستعمل ہوتا تھا، صـ۲۲

زمانۂ حال کے جو مشائخ طریقت قیود شریعت سے آزاد رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، انھیں یہ سنکر حیرت و مایوسی ہوگی، کہ قدماء صوفیہ کے نزدیک، طریقت شریعت میں مطلق تخالف نہ تھا، بلکہ شریعت ہی کی تکمیل کا نام طریقت تھا، حضرت مؤلف فرماتے ہیں، کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری و باطنی

جب تک اس کا تعلق زبان و اعضا سے ہے، اسے علم ظاہری سے تعبیر کرین گے، اسی کا نام علم شریعت ہے، مثلاً عبادات مین طہارت، نماز زکوٰۃ، حج وغیرہ یا احکام مین طلاق، فرائض، قصاص وغیرہ، جب اس کا اثر ظاہر سے گذر کر قلب باطن تک محیط ہوجاتا ہے، تو اسی کو علم باطن و طریقت سے موسوم کرتے ہین، اور یہان عبادات و احکام کے بجاے مقامات و احوال کی اصطلاحین رائج ہین، مثلاً تصدیق، ایمان، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق، وغیرہ خود کلام مجید مین نعمتون کی ظاہری و باطنی دو قسمین قرار دی گئی ہین،

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان آیت ۲۰)

دنیا مین ہر شے کا ایک ظاہری پہلو ہے، اور ایک باطنی، قرآن کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، حدیث کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے، طریقت کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ سے الگ کوئی شے نہین، بلکہ انھین کے مغز و باطن کا نام ہے،

لفظ "تصوف" اور "صوفی" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے جواب مین مؤلف علام نے مختلف اقوال نقل کر دیئے ہین، ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا، یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، کثرتِ استعمال سے زبانون پر صوفی رہگیا، ابوالحسن قنادؒ کا خیال تھا کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے، اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے، ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے، جو لوگ کدورتِ بشریت سے پاک و صاف کر دیئے گئے، وہ صوفی کہلانے لگے، ایک اور بزرگ کی رائے مین ان لوگون کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید مین صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا، اس لئے یہ صوفیہ کہلانے لگے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحابِ صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے، وقس علی ہذا، متقدمین کے نزدیک فہم و اتباعِ احکام قرآنی کے بعد سب سے زیادہ اہم و مقدم شی اتباعِ سنت نبوی تھی حضرت جنیدؒ فرماتے تھے، کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے، قرآن مین اتباعِ سنت نبوی کا صاف

الفاظ مین حکم آیا ہے، وان تطیعوہ تھتدوا (نور آیت ۵۴) ابوعثمان سعید الحیری کا مقولہ تھا کہ جو شخص سنتِ بنوی کو قولاً و فعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلے گی، حضرت بایزید بسطامیؒ نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ گرسنگی و شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہین، کہ معاً انہین یہ خیال آگیا کہ جب رسول اللہ صلعم نے اپنے لئے ایسی دعا نہین کی تو مین کیونکر کرسکتا ہون، یہ خیال کرکے وہ اس دعا سے باز رہے، اس احترام مرتبۂ رسالت کا صلہ انھین یہ ملا، کہ عورت کی خواہش بالکل ہی ان کے دل سے جاتی رہی، ذوالنون مصریؒ کا مقولہ تھا کہ خدا کو مین نے خدا ہی کے ذریعے پہچانا اور باقی سب کو رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے، سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے تھے، کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنتِ رسول صلعم نہ دین وہ باطل ہے، اور اسی کے قریب قریب قول ابوعثمانی دارانی کا ہے، حضرت شبلیؒ مرض الموت مین مبتلا تھے، نزع کا وقت تھا، گویائی کی طاقت جواب دے چکی تھی، ایک خادم وضو کرارہا تھا، ڈاڑھی مین خلال کرانا بھول گیا، شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر ڈاڑھی مین خلال کرائی، کہ سنتِ رسولؐ کا کوئی جزو فروگذاشت نہ ہونے پائے، (صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۴)

مسائلِ تصوف تمامتر کتاب اللہ و سنتِ رسول صلعم سے مستنبط ہین، اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو حضرت مؤلف نے بیان کی ہے، وہ اس قابل ہے، کہ یہان اسے حرف بحرف نقل کردیا جائے،

المستنبطات ما استنبط اهل الفهم من المحققين بالموافقة لكتاب الله عز وجل ظاهراً وباطناً والمتابعة لرسول الله صلعم ظاهراً وباطناً والعمل بهما بظواهرهم وبواطنهم فلمّا عملوا بما علموا من ذلك ورّثهم الله تعالىٰ علم مالم يعلموا وهو علم الاشارة وعلم مواريث الاعمال التى يكشف الله تعالىٰ لقلوب اصفيائه من المعانى المذخورة واللطائف والاسرار المخزونة وغرائب العلوم

وطرائف الحکم فی معانی القرآن ومعانی اخبار رسول اللہ صلعم من حیث احوالهم واوقاتهم وصفاء اذکارهم قال اللہ تعالیٰ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا، وقال النبی صلعم من عمل بما علم ورثه اللہ تعالیٰ علم مالم یعلم وهو الذی لیس لغیرهم ذٰلك من اهل العلم واقفال القلوب ما یقع علی القلوب من الصدأ لکثرۃ الذنوب واتباع الهوی ومحبۃ الدنیا وطول الغفلۃ وشدۃ الحرص وحب الراحۃ وحب الثناء والمحمدۃ وغیر ذٰلك من الغفلات والزلات والمخالفۃ والخیانات فاذا کشف اللہ تعالیٰ ذٰلك عن القلوب بصدق التوبۃ والندم علی الحوبۃ فقد فتح الاقفال عن القلوب واتته الزوائد والفوائد من الغیوب فیعبر عن زوائده وفوائده بترجانه وهو اللسان الذی ینطق بغرائب الحکم وغرائب العلم فاذا اشرحوا هذه النقط المریدون والقاصدون والطالبون من تلك الجواهر باٰذان واعیۃ وقلوب حاضرۃ فعاشوا وانتفعوا بذالك وانعشوا،

(ص ۱۰۵-۱۰۶)

خلاصہ یہ کہ استنباط کا حق ان محققین وارباب فہم کو پہونچتا ہے، جو ظاہر و باطن ہر طرح کتاب اللہ و سنت رسول صلعم کے متبع ہوتے ہیں، یہ لوگ جب کچھ عرصہ تک اپنے علم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں: تو خدا انھیں وہ علم بھی دیدیتا ہے، جو پیشتر انھیں نہ تھا، اور یہ علم انھیں کیساتھ مخصوص رہتا ہے، اور ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے، اور کثرت معاصی و شہوات حب جاہ، حرص، طمع، خود پسندی وغیرہ سے جو زنگ الواح قلب پر جما ہوتا ہے، وہ دھل جاتا ہے، اس وقت اسرار غیب ان پر منکشف ہو جاتے ہیں، ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

اس کے بعد مصنف قرآن مجید کی اس آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ سے

یہ لطیف استدلال کرتے ہیں، کہ حقائقِ دین جاننے والے اولی الامر یا اہل علم ہیں، اور ان کے طبقہ میں اہل استنباط کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے،

اسوۂ رسول صلعم کے بعد حضرات صوفیہ کے نزدیک سب سے مہتم بالشان اسوۂ صحابہؓ ہے، کتاب اللمع کی کتاب الصحابہؓ ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے، صحابہؓ کی عام مدح و تکریم کے بعد اس باب کی پہلی فصل کا آغاز حضرت صدیقؓ کی ذات سے ہوتا ہے، جو "اعظم الخوف واعظم الرجا" تھے، یعنی خدا سے ڈرتے بھی بیحد تھے، اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بے حد تھے، چنانچہ خود فرماتے تھے، کہ اگر آسمان سے یہ ندا آئے، کہ:-

لو نادی منادٍ من السّماء انّہ لن یلج الجنۃ	جنت میں بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل نہ ہوگا تو مجھے
اِلّا رجل واحد ارجوان اکون انا ھو	رحمتِ باری سے اس قدر امید ہے کہ میں سمجھونگا وہ شخص واحد
ولو نادی منادٍ من السّماء انہ لا یدخل	میں ہی ہوں، اسی طرح اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ بجز
النار الا رجل واحد لخفت ان اکون	ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ ڈالا جائے گا تو میں غضب
انا ھو، (ص ۱۲۱)	الٰہی سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ وہ شخص بھی اپنے ہی تئیں سمجھونگا

ابوالعباس بن عطاؒ سے جب آیۂ شریفہ کونوا ربانیین کے معنی دریافت کئے گئے، تو انھوں نے کہا، کہ ابوبکر صدیقؓ کے مانند ہو جاؤ، حضرت صدیقؓ ہی وہ شخص تھے جنھوں نے اپنا سارا مال و اسباب لاکر رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر کر دیا، اور جب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ تو برجستہ جواب دیا کہ "خدا اور رسول کو" حضرت مؤلف لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا، جو انسانی زبان سے ادا ہوا،

حضرت صدیقؓ کی سب سے بڑی خصوصیات، الہام و فراست تھیں، اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی نمایاں خصوصیات ترکِ شہوات، اجتنابِ شبہات، اور تمسک بالحق تھیں، حضرت عثمانؓ

کے اہم خصوصیات تمکین، ثبات، و استقامت یقین، جناب امیرؓ اکثر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ ہین، آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ وار تھے، یہ وہی علم لدنی ہے، جو خضر علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، وعلمناہ من لدنا علماً اور جس کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیمبر سے کہدیا تھا، کہ آپ صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کر سکین گے، اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (اور یہین سے بعض لوگون نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دیا ہے) جناب امیرؓ مراتب توحید، معرفت، ایمان، علم مین کامل ترین تھے، اور ان اصحاب اربعہؓ کے آثار قدم صوفیہ کے لئے دلیل راہ ہین،

خلفاے اربعہؓ کے بعد قدرۃً اصحاب صفہ کا ذکر آتا ہے، جن کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ طالبان طریقت کے لئے درس ہدایت رکھتا ہے، یہ وہ مقدس گروہ تھا جو معاش دنیوی سے قطعاً بے پروا ہو کر شب و روز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار ہوا کرتا تھا، جس کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا، نہ پہننے کا، نہ اوڑھنے کا، اور جس کی زندگی تمامتر فقر و فاقہ، توکل و صبر، عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی، اس جماعت کی مدح مین متعدد آیات قرآنی نازل ہوئی ہین، مثلاً للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ، (بقرہ، آیت ۲۷۳) ولا تطرد الذین یدعون ربھم (انعام، آیت ۵۲) اس حصہ کی آخری فصل مین، عام صحابہؓ کی زندگی پر متصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے، اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیہ کے لئے شمع ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اصحاب ذیل کے اسماے مبارک اس حیثیت سے خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہین، طلحہ بن عبید اللہ، معاذ بن جبل، عمران بن حصین، سلمان فارسی، ابو درداء، ابوذر، ابوعبیدہ بن الجراح، عبد اللہ بن مسعود، براء بن مالک، عبد اللہ بن عباس، کعب احبار، حارثہ، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن جحش، اسامہ، بلال، مصعب بن عمیر، عبد الرحمن بن عوف، حاکم بن حزام، عبد اللہ بن رواحہ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم،

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کر کے ضرورت مرشد پر بہت زور دیا ہے، اور اس ضمن میں بعض بہت گہرے خیالات کا اظہار کیا ہے،

بہت سے مبتدیوں کا یہ خیال ہوتا ہے، کہ مخالفتِ نفس حصولِ مقصد کے لئے کافی ہے، چنانچہ وہ اپنی ذاتی رائے سے طرح طرح کے مجاہدات اپنے لئے اختیار کر لیتے ہین، غذا بہت گھٹا دیتے ہین لذیذ غذائین بالکل ترک کر دیتے ہین، پانی پینا چھوڑ دیتے ہین، آبادی سے نکل کر صحرا مین رہنے لگتے ہین وقس علی ہذا، حضرت مؤلف کا ارشاد ہے، کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے، ان چیزون کو اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہے گا، بلکہ مضرت کا اندیشہ ہے، مثلاً ترکِ غذا کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ انسان فرائض یومیہ، نماز پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکے گا، نفس امارہ کو زیر کرنا اتنا آسان نہین، کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے انسان تن تنہا یہ منزل طے کر سکے، خود رائی کی تمام صورتین اس راہ مین خطرہ و ہلاکت کیطرف لیجانے والی ہین، (ص ۱۷۹–۱۸۰)

ان سب اعمال و مجاہدات کے لئے مخصوص آداب و شرائط ہین، بغیر ان کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے،

سماع کی بحث گروہ صوفیہ مین بڑی اہمیت رکھتی ہے، طریقت کے اس استاد قدیم نے اس پر پوری تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہے، اور اس کی مدح و توصیف مین متعدد احادیث نبوی نقل کی ہین، مثلاً،

(۱) مابعث اللہ نبیا الاحسن الصوت

(۲) زینوا القرآن باصواتکم

(۳) ما اذن اللہ تعالیٰ لشئ کاذنہ لنبی حسن الصوت،

(۴) لقد اعطی ابی موسیٰ مزماراً من مزامیر آل داؤد لما اعطی من حسن الصوت

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور قدما صوفیہ مین جو حضرات سماع کے شیدائیون مین ہوئے ہین، مثلاً جنید بغدادی، ابو الحسن نوری، حضری وغیرہم، ان کے اقوال نقل کئے ہین، آگے چل کر اباحت سماع عامہ کے عنوانات سے جو باب قائم کیا ہے، اس مین عید کے دن سرورکائنات صلعم کے دف کے ساتھ گانا سننے کا حوالہ دیا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ حضرت بلالؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے، حضرت مالک بن انسؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ عبد اللہ بن عمرؓ اور امام شافعیؒ نے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز رکھا ہے، اور ان سب کی سند جواز سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، سماع خاصہ کے ضمن مین سامعین کے تین طبقہ کئے ہین، (۱) مبتدئین و مریدین (۲) متوسطین و صدیقین، (۳) عارفین و اہل استقامت، اس کے بعد محقق مؤلف نے مسئلۂ سماع کے مختلف پہلوؤن کو لیا ہے، اور متعدد ابواب مین ہر پہلو پر تفصیلی نظر کی ہے، جواز کے جو آداب و شرائط و قیود ہین، ان سے کسی حال مین اغماض نہین برتا ہے، آخری باب مین ان حضرات کے خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو جواز سماع کے منکر ہین یا اس کی کراہت کے قائل ہین، ان چند ابواب کا مطالعہ موجودہ مشائخ کے لئے خاص طور پر سبق آموز ہو سکتا ہے،

ان اقتباسات و تصریحات سے نوعیت کتاب کا اندازہ ہوگیا ہوگا، اور متاخرین کے کتب ملفوظات و مناقب سے اس کا مقابلہ کرنے سے صاف نظر آجائیگا، کہ قدیم اسلامی تصوف اور موجودہ صوفیت مین کس قدر عظیم الشان فرق ہے،

باب (۲)

کشف المحجوب

(شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ)

عربی مین تصوف کی قدیم ترین معلوم کتاب کا نام کتاب اللمع ہے جس سے ہم پچھلی صحبت مین روشناس ہو چکے، فارسی مین تصوف کی قدیم ترین موجود کشف المحجوب ہے، کتاب اللمع آج سے چند سال قبل دنیا کے لیے معدوم تھی، اور اب بھی مشرق کے لئے اس کا عدم، اس کے وجود سے کچھ ہی بہتر ہے، خوش قسمتی سے کشف المحجوب اس حجاب گمنامی مین نہین، داتا گنج بخش لاہوریؒ کا نام اکثرون کی زبان پر ہے، صوبۂ پنجاب کے بکثرت گھرانے ان کی عقیدت کے مسکن ہین، لاہور مین مدت ہوئی اصل فارسی نسخہ طبع ہو چکا ہے، اور ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، چند سال ہوئے سینٹ پیٹرس برگ یونیورسٹی (روس) کے پروفیسر ژوکووسکی کے زیر اہتمام اصل کتاب کے یورپ مین چھپنے کی اطلاع آئی تھی، یہ سب کچھ ہے، تاہم استفادہ کرنے والون کا حلقہ اب بھی محدود ہے، اور تصنیف و مصنف دونون سے تعارف کرانے کی ضرورت باقی ہے،

(۱) مصنف

مصنف علیہ الرحمہ کا پورا اسم گرامی ابو الحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے، ہندوستان میں عرف عام داتا گنج بخش مشہور ہے، وطن غزنین تھا، مضافات غزنین میں ہجویر، جلاب دو قریہ ہیں، دونوں میں قیام رہا، آخر عمر میں لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی، یہیں انتقال کیا، اور یہیں مدفون ہوئے، اس ساری نقل وحرکت کے اظہار کے لئے نام کے ساتھ "غزنوی جلابی ہجویری لاہوری" کا ضمیمہ لگا ہوا ہے،

سید حسنی تھے شجرۂ نسب بعض تذکروں میں یوں دیا ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبد الرحمن بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰ رض،

بیعت شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی سے تھی جو شیخ ابو الحسن حصری کے مرید تھے شجرہ طریقت سید الطائفہ جنید بغدادی تک پہونچتا ہے، متعدد دیگر مشائخ کبار سے بھی استفادہ کیا تھا کشف المحجوب میں جابجا ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے جاتے ہیں، مثلاً امام ابو العباس احمد اشقانی کے تذکرہ میں کہتے ہیں،

"مرا بادے انسے عظیم بود، و وے را بر من شفقتِ صادق، و اندر بعضے علوم استادِ من بود"

(کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور، ص ۱۲۱)

شیخ ابو القاسم گرگانی اور اپنے تعلقات کے تذکرہ میں ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرماتے ہیں،

"روزے من اندر پیش شیخ نشستہ بودم، و احوال ہا و نمود ہاے خود را بر می شمردم و بہ حکم آنکہ روزگار خود بر وے سرہ[1] (؟) کنم، کہ ناقد وقت است، و وے رض بہ کراستے آن از من می شنید

---

[1] فارسی مطبوعہ نسخہ اغلاط سے اس قدر لبریز ہے، کہ بعض مقامات پر مطلب خبط ہو گیا ہے، جو الفاظ راقم سطور کی (بقیہ حاشیہ صفحہ مابعد پر)

دمرا نخوتِ کودکی و آتشِ جوانی بر گفتارِ آن حریص می کرد و خاطرے صورت می بست کہ مگر این پیر را در
ابتدا اندرین کوے گذرے نبودہ است کہ چندین خضوع میکند، اندر حقِ من، و نیاز می نماید اندر باطن
من، آن بدید و گفت اے دوست پدر (؟) بدانکہ این خضوع من نہ ترا و یا حال تراست کہ محولِ احوال
بر محل محال آید (؟)، بلکہ این خضوع من محولِ احوال را می کنم و این عام باشد مر ہمہ طلاب را نہ خاص
ترا، چون این بشنیدم، از دست بیفتادم، و وے اندر من بدید و گفت اے پسر آدمی را بہ این طریقت
نسبت بیش ازان نبود کہ چون ویرا بہ طریقت، باز بندند، پندار یافت آن بگردانندش، چون از آن معزول
کنندش بہ عبارت پندارش برسد، پس نفی و اثبات، فقد و وجودِ وے ہر دو پندار باشد و آدمی ہرگز از
بندِ پندار نرہد، وے را باید کہ در گاہ بندگی گیرد، و جملہ نسبتہا را از خود دفع کند، بجز نسبت مردمی و فرمان
برداری، و از بعد آن مرا با وے اسرار بسیار بود، اگر بہ اظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود بمانم"

(ایضاً، ص ۱۲۲)

ایک جگہ خواجہ ابو احمد مظفر سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے، وہ بھی اربابِ ذوق کے لئے
اسی قدر دلچسپ ہے:-

"روزے من اندر گرماے گرم نہ نزدیک وے اندر آمدم با جامۂ راہ و ژولیدہ موے، مرا
گفت یا ابا الحسن ارادت حالی مرا گوئے تا چیست گفتم مرا سماع می باید، اندر حال کسے فرستاد، تا قوالی
بیاوردند و جماعتے را از اہلِ عشرت، و آتش کودکی و قوت ارادت و حرکت ابتدا مرا اندر سماع کلمات
مضطرب کرد، چون زمانہ بر آمد، و سلطان و غلیان آن آفت اندر من کمتر شد، مرا گفت چگونہ بود؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما قبل) سمجھ میں پوری طور پر نہیں آئے، انھیں بجنسہ نقل کرکے اور انھیں زیر خط کرکے آگے قوسین میں
علامت استفہام بنادی گئی ہے، اس طرح (؟) جہاں کہیں فقرہ کا فقرہ نہیں چل سکا ہے وہاں پورے فقرہ کو زیر خط
کرکے اس کے آگے اسی قسم کی علامت بنادی ہے،

مرترا باین سماع گفتم ایہا الشیخ سخت خوش بود مگفت وقتے بباید کہ این و بانگ کلاغ ہر دو مرترا یکسان شود، قوت سماع تا آنگاہ بود کہ مشاہدہ نہ باشد، چون مشاہدہ حاصل آید ولایت سمع ناچیز شود، ذکر (۴) تا این را عادت نہ کنی تا طبیعت نہ شود، و باز بدان باقی" (ایضاً ص۱۲۳)

اسی طرح سلطان ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو القاسم قشیری، وغیرہ دیگر مشاہیر صوفیہ سے اپنی ملاقات کے تذکرے لکھے ہین،

حنفی المذہب تھے، امام ابو حنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی، ان کا نام، امام امامان و مقتدائے سنیان شرف فقہا و عز علما" کی حیثیت سے لیا ہے، اور ان کے کمالات کا بیان تفصیل سے کیا ہے (ص ۹۶تا ۱۰۱) اس ضمن مین اپنا ایک خواب بھی تحریر فرماتے ہین جس کا اقتباس لطف اور نفع سے خالی نہ ہوگا، فرماتے ہین کہ:-

"مین ملک شام مین تھا، ایک مرتبہ حضرت بلالؓ موذن کے مزار کے سرہانے سو گیا، خواب مین دیکھتا ہون، کہ مکہ مین حاضر ہون اور پیغمبر خدا صلعم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہین، اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود مین لئے ہو ایک مسن شخص کو گود مین لئے ہوئے ہین، مین دوڑتا ہوا حضور مین پہونچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل مین سوچنے لگا کہ یہ مرد مسن کون ہین، حضور صلعم کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہو گئی، ارشاد ہوا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہؒ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق مین بہت کچھ امیدین ہوگئین، اور اس خواب سے مجھ پر یہ بھی منکشف ہوگیا کہ امام ابو حنیفہ ان لوگون مین ہین، جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہین، اور محض احکام شرع کے لئے باقی ہین، اس لئے کہ ان کے حامل رسول خدا صلعم تھے، اگر مین انھین خود چلتے ہوئے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفت ہین، اور باقی الصفت کے لئے خطا و صواب دونون کا امکان ہے، لیکن چونکہ انھین حضرت رسول خدا صلعم کی گود مین دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود

ذاتی فنا ہوچکا ہے، اور اب جوان کا وجود قائم ہے، وہ رسول خدا صلعم کے وجود سے قائم ہے، اور چونکہ خود رسول خدا صلعم کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہین اس لئے جس کا وجود ان مین فانی ہوچکا ہے، وہ بھی امکانِ خطا سے پاک ہے۔" (ایضاً ص ۶۸ و ۶۹)

سفر و سیاحت مین اکثر رہا کرتے تھے، شام سے لیکر ترکستان اور ساحلِ سندھ سے لیکر بحر قزوین تک یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی عملداری کی سیاحی کا ذکر کیا ہے، آذربائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، بیت الجن، طوس، ، اور جبل السلام کے نام اپنے سفرنامون کے ذیل مین تصریح کے ساتھ لئے ہین، ایک مرتبہ دورانِ قیامِ عراق مین معلوم ہوتا ہے، کہ دولت بہت جمع ہوگئی تھی اور اسراف سے قرضداری کی نوبت آگئی تھی، فرماتے ہین:۔

"وقتے من اندر دیار عراق اندر طلب دنیا و فنا کردن آن تا باکے میکردم (؟) ودام بسیار برآمدہ بود وحشوے ہر کسے را کہ بایستے بودے (؟) روئے بہ من آوردہ بودند، ومن در رنج حصول برائے شان ماندہ بودم" (ایضاً ص ۴۶۵)

عرصہ تک پریشانی رہی، بالآخر ایک درویش کی موعظت کے اثر سے فراغت نصیب ہوئی،

قیدِ ازدواج سے ہمیشہ آزادی رہی، البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یون بیان کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک مرتبہ کسی کے خدنگِ نظر سے بسمل ہوگئے تھے، اور ایک سال تک اس زخم کی تڑپ نے بیتاب رکھا لیکن بالآخر فضلِ ایزدی نے زخم کا مرہم بھی پیدا کر دیا، عبارت اس قدر مبہم ہے کہ تفصیلات کا پتہ بالکل نہین چلتا،

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفتِ تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند (؟) سبے آنکہ

روئیت بوده، ویکسال مستغرق آن بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بکمال
لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارۂ من فرستاد، و بہ رحمت خلاصی ارزانی
داشت، (صفحہ ۲۰۵)

استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ مین درج نہین لیکن کشف المحجوب کی تصنیف خود اس امر کا واضح ثبوت ہے، کہ اس کا مصنف علوم ظاہری پر وسیع نظر رکھتا ہے، بعض تذکرون مین اجمالاً صرف اس قدر ہے، "جامع بود بیانِ علوم ظاہر و باطن" اور یہ یقیناً صحیح ہے،

بعض تذکرون مین ہے کہ لاہور اپنے پیر مرشد کے حکم سے آئے اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے ایک ملفوظ مین تو ورودِ لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے، فوائد الفواد مین ہے کہ علی ہجویریؒ اور شیخ حسین زنجانیؒ دونون ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے، شیخ حسن زنجانی عرصہ سے لاہور مین سکونت رکھتے تھے، ایک روز شیخ علی ہجویریؒ کو مرشد کا حکم ملا، کہ لاہور مین سکونت اختیار کرو، عرض کیا کہ وہان تو شیخ حسین پیشتر سے موجود ہین، مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، تعمیل کی، شب مین لاہور پہونچے، اسی شب مین شیخ حسین نے انتقال فرمایا، اور صبح ان کا جنازہ اٹھایا گیا[1]، ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا، لیکن خود کشف المحجوب کی عبارت سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف کسی مجبوری سے تھا، فرماتے ہین، کہ:-

"کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود، و من اندر دیار ہند از بلدۂ لاہور کہ از مضافاتِ ملتان ست در میان ناجنسان گرفتار شدہ بودم، (صفحہ ۶۵)

"میری کتابین غزنین مین چھوٹ گئی ہین، اور مین ہندوستان مین شہر لاہور مین ناجنسون کے درمیان گرفتار ہون،"

اس کا کچھ پتہ نہین چلتا کہ "گرفتاری" کا لفظ فقرۂ بالا مین مجازاً استعمال کیا ہے، یا حقیقۃً،

[1] فوائد الفواد، مرتبہ امیر حسن علاء سجزیؒ، صفحہ ۳۵ (مطبوعہ نولکشور)

عام لقب جو گنج بخش مشہور ہے، اس کی بابت یہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری
نے آپ کے مزار پر آکر چلہ کیا، اور اکتسابِ فیوض و برکات کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو مزار
کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا   کاملان را پیرِ کامل ناقصان را رہنما

اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ عام زبانوں پر چڑھ گیا[1]

سنہ وفات کے متعلق اختلاف ہے، صاحب نفحات الانس خاموش ہیں، صاحب سفینۃ
الاولیا نے دو روایتیں دی ہیں، ایک ۴۵۶ھ اور دوسری ۴۶۴ھ کی بابت[2] آزاد بلگرامی نے
ایک ضمنی موقع پر ۴۶۵ھ درج کیا ہے[3] نکلسن کا قیاس ہے، کہ ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ کے درمیان
وفات ہوئی[4] مزار پر جو قطعِ تاریخ کندہ ہے، اس سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے، راقم سطور کے نزدیک
اسی کو ترجیح ہے، مزار شہر لاہور کے باہر سمت غرب میں واقع ہے، ہر جمعرات و جمعہ کو زائرون
اور حاجتمندون کا ہجوم رہتا ہے، عام عقیدہ یہ ہے، کہ چالیس روز متصل یا چالیس شبہائے جمعہ کو
طوافِ مزار کرنے سے ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے[5]

اس قدر یقینی ہے، کہ تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، لیکن آج ان تصانیف کا وجود
تو الگ رہا، ان کے نام تک کسی تذکرہ میں محفوظ نہیں، صاحب سفینۃ الاولیا اس سے زائد
نہ لکھ سکے کہ "حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است" البتہ خود کشف المحجوب میں مصنف
نے جا بجا اپنی دوسری تصانیف کے حوالے دیے ہیں، ان عبارتوں کے یکجا کرنے سے تصانیف

---

[1] خزینۃ الاصفیا، غلام سرور لاہوری، جلد دوم ص ۲۳۴، [2] سفینۃ الاولیا ص ۱۶۱، [3] ماثر الکرام (نسخہ
شائع کردہ عبد اللہ خان، حیدر آباد دکن)
[4] مقدمہ ترجمہ انگریزی، کشف المحجوب، [5] سفینۃ الاولیا ص ۱۶۵،

ذیل کا پتہ چلتا ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں، اس قدر تو بہر حال قطعی یقین،

	نام کتاب	عبارت کشف المحجوب
۱	" دیوان "	یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بخواست، (ص۱)
۲	"منہاج الدین"	دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف نام آن منہاج الدین (ص۱) نیز پیش ازین کتابے ساختہ ام مرآن را منہاج الدین نام کردہ اندر وے مناقب (اہل صفہ) یک یک بہ تفصیل آوردہ (ص۹۵) نیز اندر کتابے کہ کردہ ام بجز این منہاج نام" (ص۱۱۱)
۳	"کتاب الفنا والبقا"	تا ازین جنس سخن است ابن کتابے فنا و بقا،، (ص۱۷۸)
۴	"اسرار الخرق والمؤونات"	"مرا اندرین باب کتابے است مفرد کہ نام آن اسرار الخرق والمؤنات ست" (ص۳۵)
۵	"کتاب البیان لاہل العیان"	"من اندرین معنی تا حال ہدایت کتابے ساختہ ام آن را کتاب البیان لاہل العیان نام کردہ شدہ" (ص۱۹۵)
۶	" بحر القلوب "	"اندر بحر القلوب اندر باب جمع فصولے گفتہ ام" (ص۱۹۶)
۷	"الرعایۃ لحقوق اللہ"	" طالب این علم را این مسئلہ از کتاب دیگر باید طلبید کہ کردہ ام و آن را الرعایۃ لحقوق اللہ نام کردہ،، (ص۲۱۱)

ذیل کی عبارتوں میں دو کتابوں کے حوالہ اور آتے ہیں، خدا معلوم ان سے مراد کتب بالا ہی ہیں، یا یہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں، نکلسن کا خیال ہے، کہ یہ علحدہ تصانیف ہیں، اس حساب سے دو کتابوں کا اور اضافہ سمجھنا چاہیے،

۸ "پیش ازین اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام،، (ص۱۱۱)

۹ من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ (ص۲۱۵)

آج یہ سب کتابیں عنقا ہیں،

مخدوم موصوف علیہ الرحمہ کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے، خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ اور شیخ المشائخ حضرت بابا فرید گنج شکر جیسے مسلّم اکابر نے آپ کے مزار پر چلہ کھینچے ہیں، اور فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، چنانچہ دونوں حضرات کے مکاناتِ چلہ کشی اب تک موجود و محفوظ ہیں، ملا جامیؒ ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالتِ قدر کا اعتراف کرتے ہیں:۔

"عالم و عارف بود........... و صحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است، کہ از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن است و لطائف و حقائق بسیار در آن کتاب جمع کردہ است[1]"

شاہزادہ دارا شکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب کشف المحجوب کے ٹکر کی نہیں:۔

"خانوادۂ ایشان خانوادۂ زہد و تقوی بودہ، حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچکس را بران سخن نیست و مرشدے است کامل، در کتب تصوف بہ خوبی آن در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ و خوارق و کرامات زیادہ از حد و نہایت دیارہا بر قدم تجرید و توکل سفر کردہ اند[2]"

سب سے بڑھکر قابلِ استناد و قابلِ افتخار قول حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کا ہے، آپ کا ارشاد تھا، کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا،

[1] نفحات الانس، جامی، ص۳۵، (مطبوعہ کلکتہ) [2] سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ، ص۱۶۴،

آپ کے ایک غیر مطبوع ملفوظ دُرر نظامی میں ہے،

"ومی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است، قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے نہ باشد، چون این کتاب را مطالعہ کند او را (؟) پیدا شود...... من این کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام"[1]

مخدوم موصوف کی اس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے، کہ لاہور میں آپ نے جو مسجد تعمیر کرائی تھی، اس کی محراب میں بمقابلہ دوسری مساجد کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی، علمائے وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی، آپ نے ایک روز سب کو جمع کرکے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد حاضرین سے کہا کہ خود دیکھ لو کعبہ کدھر ہے، حجابات اُٹھ گئے، سب نے دیکھا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے،

(۲) تصنیف

کشف المحجوب تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں ہے، اور فارسی زبان میں تو اس سے قدیم تر کسی کتاب تصوف کا راقم سطور کو علم نہیں، مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس میں اپنی متعدد ابتدائی کتابوں اور اپنی سکونت لاہور کا ذکر کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کتاب کی تصنیف آخر عمر میں فرمائی ہے، یعنی پانچویں صدی ہجری کے وسط میں، اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیریؒ کا عربی رسالہ قشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہی ہے، لیکن دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ و مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، واردات، مکاشفات و مجاہدات وغیرہ کو بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں، اور

[1] دُرر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخۂ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم درگاہ حضرت سلطان المشائخ دہلی،

مباحثِ سلوک پر رد و قدح کرنے مین بھی تامل نہین کرتے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ حکایات و روایات کی نہین بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے،

صورتِ تصنیف یہ ہے، کہ کوئی صاحب ابوسعید نامی فرضی یا واقعی سائل ہین، انھون نے حضرت مخدوم کی خدمت مین عرض کی ہے، کہ:-

"بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوف وکیفیت مقاماتِ ایشان و بیانِ مذاہب و مقالاتِ آن اظہار کن مرا رموز و اشاراتِ ایشان وچگونگی محبت خداے عزوجل وکیفیتِ اظہار آن بر دلہا وسببِ حجاب عقول از کنہ ماہیت آن ونفرت نفس از حقیقت آن وآرام روح با صفوت آن، وانچہ بدین تعلق دارد از معاملت آن" (ص۷)

ساری کتاب اسی سوال کے جواب، اور انھین کے مراتب کی تفصیل مین ہے،

مضامین وتصانیف کے سرقہ مین معلوم ہوتا ہے، اس وقت کے لوگ بہت جری و بیباک تھے مصنف کو دو بار ان لوگون کے ہاتھون تلخ تجربات اٹھانے پڑے، ایک مرتبہ کسی صاحب نے مسودۂ دیوان مصنف سے مستعار لیا اور واپس کرنے کے بجاے اپنے نام وتخلص کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کردی، دوسری بار یہ اتفاق ہوا کہ ان کی ایک تصنیف فن سلوک مین منہاج الدین کے نام سے تھی، اسے کوئی شخص اڑالے گیا، ان کا نام کاٹ کر عنوان پر اپنا نام لکھدیا، اور اس کی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کرنا شروع کردیا، کشف المحجوب کی تصنیف ان تصنیفات کے بعد کی ہے اس کے آغاز مین اسم مصنف کی تصریح ضروری تھی، ان حالات کا ذکر اسے سخن مین خود ہی فرمایا ہے،

"انچہ اندر ابتداے کتاب نام خود ثبت کردم مراد اندر آن دو چیز بود یکے نصیب خاص و دیگر نصیب عام وانچہ نصیب عام بود آن است کہ چون جہلہ این علم کتابے بینند نوکہ مصنف

آن بچنید جاے ثبت نہ باشد نسبت آن کتاب بخود کنند ومقصود مصنف از آن بر نیاید کہ مراد از جمع وتالیف وتصنیف کردن بجز آن نہ باشد کہ نام مصنف بدان کتاب زندہ باشد وخوانندگان ومتعلمان وے را دعاے نیکو کنند، کہ مرا ازین حادثہ افتاد بدو بار، یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بخواست وباز گرفت واصل نسخہ جز آن نبود آن جملہ را بگردانید ونام من از سرِ آن بیفگند ورنج من ضایع گردانید، تاب اللہ علیہ ودیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف عمرہ اللہ نام آن منہاج الدین یکے از مدعیان رکیک کہ گرامی گفتار نام او نکنند نام من از سر آن پاک کرد ونزدیک عوام چنان نمود کہ آن وے کردہ است، ہر چند خواص بر آن قول وے خندیدندے تا خداوند تعالیٰ بے برکتی آن بدو رسانید، نامش از دیوان طلاب درگاہ خود پاک گردانید (ص ٢٠١)

اِس سرقہ سے اِس قدر خائف تھے، کہ اسی ایک تصریح پر اکتفا نہین کی ہے بلکہ درمیان کتاب مین بار بار اپنے پورے نام کی تصریح فرماتے گئے ہین،

لاہور کا جو مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، اس کا ہر صفحہ اغلاطِ طبع وکتابت سے لبریز ہے، بعض مقامات پر عبارت بے معنی ہوگئی ہے، بعض مقامات پر حضرت مصنف کے بالکل خلاف منشا معنی نکلتے ہین، اور اس سے بڑھکر ستم یہ ہے، کہ اکثر مقامات پر اشخاص ومقامات کے نام بالکل مسخ ہوگئے ہین، جن کی تصحیح کی کوئی صورت نہین، دوسرا تکلیف دہ امر اس نسخہ مین یہ ہے، کہ کسی قسم کی فہرستِ مضامین وغیرہ درج نہین، کتاب متعدد ابواب وفصول مین منقسم ہے، ہر باب وفصل کے الگ الگ پیراگراف (بند) ہین، لیکن کاتب صاحب نے بسم اللہ سے لیکر تا سے تمت تک ٣٢٠ صفحہ کی کتاب کا یکسان قلم رکھا ہے، نہ کہین کوئی پیراگراف (بند) توڑا ہے، نہ ایک باب وفصل کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کو کوئی نمایان امتیاز دیا ہے، راقم سطور نے بطور خود ایک فہرستِ مضامین اور بعض دوسری فہرستین مرتب

کی ہین جن کی مدد سے ناظرین کے ہمراہ کتاب پر ایک سرسری نظر کرنا ہے،

شروع کے چھ صفحے (ص ۱-۶) بطور مقدمہ یا تمہید کے ہین جس مین سبب تالیف موضوعِ سخن وغیرہ کی تصریح کی ہے، اس کے بعد ترتیبِ مضامین حسب ذیل ہے،

(۱) باب اول فی اثبات العلم (ص ۷-۱۴) اس مین علم کی ماہیت، اس کے فضائل اور اس کے اقسام کا بیان ہے مشہور صوفی حاتم اصمؒ کا قول نقل کیا ہے، کہ:-

حاتم الاصم گفت رضی اللہ عنہ کہ چہار علم اختیار کردم واز ہمہ علمہاے عالم برستم .... یکے آنکہ بدانستم کہ مرا از رزقے است مقسوم کہ زیادت وکم نشود از طلب زیادت برآسودم، و دیگر آنکہ بدانستم کہ خدائے را بر من حقیست کہ جز من کسے دیگر نتواند گزارد و بہ اداے آن مشغول گشتم دیگر آنکہ دانستم کہ مرا طالبے ست یعنی مرگ کہ از و نتوانم گریخت آن را بشناختم (؟) و چہارم آنکہ دانستم کہ مرا خداوندے ست مطلع بر من از وے شرم داشتم و از ناکردنی دست باز داشتم،، (ص ۱)

تمام علوم عالم مین سے مین نے چار چیزون کا علم حاصل کر لیا، اور باقی علوم سے بے نیاز ہو گیا .... اول یہ کہ رزق کی ایک مقدار مقسوم ہے جس مین کمی بیشی نہین ہو سکتی، اس لئے اس مین اضافہ کی طلبگاری سے نجات پا گیا ہون، دوسرے یہ کہ خدا کی جانب سے میرے اوپر جو حقوق عائد ہین، ان کی بجاآوری میرے ہی ذمہ فرض ہے، اس لئے ان کی ادائگی مین مشغول رہتا ہون، تیسرے یہ کہ میرے تعاقب مین موت لگی ہوئی ہے، جس سے کسی طرح گریز ممکن نہین، اس لئے اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا ہون، چوتھے یہ علم ہے کہ خدا میرے حال کو دیکھتا رہتا ہے، اس سے شرم کرتا رہتا ہون، اور ممنوعات سے بچتا رہتا ہون،

علم صحیح کے لئے علم ظاہر (شریعت) وعلم باطن (حقیقت) کی جامعیت ضروری ہے، صرف ایک کا

وجود طالب کے لئے مضر ہوگا،

ظاہر ورزش معاملت و باطنش تصحیح نیت،
و قیام ہر یک ازین بے دیگرے محال باشد
ظاہر بے حقیقت باطن نفاق بود و باطن
بے ظاہر زندقہ و ظاہر شریعت بے باطن نقص
بود و باطن بے ظاہر ہوس، پس علم حقیقت را
سہ رکن است یکے علم بذات خداوند تعالی و
وحدانیت وی و نفی تشبیہ از وے، دو دیگر
علم بہ صفات خداوند تعالیٰ و احکام آن و سہ
دیگر علم بہ افعال و حکمت وے، و علم شریعت را
نیز سہ رکن است، یکے کتاب، و دیگر سنت و سہ
دیگر اجماع امت،، صفا

ظاہر بغیر امتزاج باطن کے نفاق ہے اور باطن بغیر امتزاج
ظاہر کے زندقہ ہے، شریعت بلا حقیقت نقص اور حقیقت بلا شریعت ہوس،
علم حقیقت کے تین ارکان ہین، علم ذات و توحید و نفی
تشبیہ خداوندی، علم صفات و احکام خداوندی، اور
اور علم افعال و حکمت افعال خداوندی، علم شریعت
کے بھی یہ تین رکن ہین، قرآن، سنت رسول و اجماع
امت،

علم ذات خداوندی کی تعلیم اس قسم کی آیات قرآنی مین بہ کثرت ملتی ہے، فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ، واعلموا ان اللہ ھو مولٰکم، الم تر الی ربک کیف مد الظل، افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت، لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر، نیز اس قسم کی احادیث نبوی مین کہ من علم ان اللہ تعالٰی ربہ وانی نبیہ حرم اللہ تعالٰی لحمہ و دمہ علی النار،

علم صفات خداوندی کی جانب رہبری اس قسم کی آیات قرآنی کرتی ہین، انہ علیم بذات الصدور، واللہ علی کل شیٔ قدیر، وھو السمیع البصیر، فعال لما یرید

ھو الحی لا الٰہ الا ھو، وقس علیٰ ھذا

علم افعالِ خداوندی کے بابت اس قسم کی آیات قرآنی میں اشارہ ہے۔ واللہ خلقکم و ما تعملون، اللہ خالق کل شئ وقس علیٰ ھذا،

علم شریعت کے رکن اول، کتاب اللہ سے اعتصام کی دلیل یہ ارشادِ حق تعالیٰ ہے، فیہ آیاتٌ محکماتٌ ھنّ ام الکتاب، رکن دوم سنت نبویؐ کی شاہد عادل یہ فرمان ربّانی ہے وما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا رکن سوم اجماعِ امت کی دستاویز استناد یہ ارشادِ حضرت رسالتؐ ہے، لا یجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم،

علم (بہ شمولِ علم شریعت) کی اہمیت پر جتنا زور دیا ہے، اس کا مزید اندازہ اقتباسِ ذیل سے ہوگا،

محمدؒ بن فضل البلخی گوید رحمۃ اللہ علیہ العلوم ثلثۃ علم من اللہ وعلم مع اللہ وعلم با اللہ، علم باللہ علم معرفت بود کہ ہمہ انبیا و اولیا بدو دانستہ اند و تا تعریف و تعرف وے نبود ایشان ویرا ندانستند، علم من اللہ علم شریعت بود کہ آن از وے با فرمان و تکلیف است و علم مع اللہ علم مقامات و طریق حق و بیان درجات اولیا ست پس معرفت بے پذیرفت

محمدؒ بن فضل بلخیؒ کہتے ہیں، کہ علم کی تین قسمیں ہیں، علم من اللہ، علم مع اللہ، علم باللہ، علم باللہ، علم معرفت ہے، کہ انبیا و اولیاء نے اسی ذریعہ سے معرفتِ باری حاصل کی ہے، اور بغیر اس کے انھیں معرفت حاصل نہ ہو سکی، (یہ علم اکتساب سے نہیں آتا) علم من اللہ علم شریعت ہے، یعنی احکام ربانی، ذمہ داری فرائض عبدیت کا علم، علم مع اللہ علم مقامات طریقت و درجات اولیاء کا نام ہے، معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کئے درست نہیں ہو سکتی، اور شریعت پر عمل بغیر مقامات دسی

شریعت درست نیاید و ورزش شریعت بے اظہا ... کے ممکن نہیں جس کو علم شریعت نہیں اس کے قلب پر

مقامات راست نیاید .... جہل کی موت طاری ہے، اور جسے علم شریعت نہیں

ہرکرا علم معرفت نیست دلش بجہل مردہ است ... اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے،

وہرکرا علم شریعت نیست دلش بہ نادانی

بیمار است، (ص۱۲)

اسی تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامیؒ کا قول ہے، کہ میں نے تیس سال تک مجاہدات کئے، لیکن کسی مجاہدہ کو علم و تحصیلِ علم سے صعب تر نہیں پایا، (عملت فی المجاهدة ثلثین سنة فما وجدت شیئًا اشد علی من العلم ومتابعته)

اور خود مرشد ہجویریؒ کا بیان ہے، کہ طبع انسانی کے لئے آگ پر چلنا راہِ علم پر چلنے سے آسان تر ہے، اور ایک جاہل کے لئے پل صراط پر ہزار بار گذرنا اس سے آسان ہے کہ علم کا ایک مسئلہ حل کرے، (ص۱۱)

آج جبکہ خوش فہمی سے بعض گروہِ صوفیہ میں ہر قسم کے علم پر، حجاب اکبر، کا حکم لگا دیا گیا ہے، علم شریعت کے فضائل مذکورہ بالا یقیناً حیرت و استعجاب کے کانوں سے سنے جائینگے

(۲) الباب الثانی فی الفقر (ص۱۶-۲۲) اس باب میں فضائلِ فقر و مسکنت کا بیان ہے، فضائل فقر میں متعدد آیات قرآنی وارد ہیں، مثلاً للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف، (بقرہ ع ۳۷)

یا پھر مثلاً تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفًا وطمعًا (سجدہ ع ۲)

احادیث نبوی میں بھی بہ کثرت فضائلِ فقر وارد ہوئے ہیں، سرورِ کائنات صلعم خود اپنے متعلق دعا میں یہ آرزو کرتے تھے کہ اے پروردگار مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکین بنا کر وفات دے،

اور حشر مین زمرۂ مساکین مین اٹھا، ایک اور حدیث مین آتا ہے، کہ قیامت کے روز ارشاد باری تعالیٰ ہوگا، کہ میرے دوستون کو حاضر کرو، فرشتہ عرض کرین گے کہ بارالٰہا تیرے دوست کون ہین؟ جواب ملے گا کہ "فقرا، ومساکین" (اوتوا منی احبای فیقول الملئکۃ من احباک فیقول اللہ الفقراء والمساکین) عہد رسالت مین فقراء مہاجرینؓ تھے، جو مسجد نبوی مین تمام اسباب دنیوی سے قطع نظر کرکے محض عبادت الٰہی کے لئے بیٹھ جاتے تھے، اور اپنی روزی کے لئے محض مسبب الاسباب پر تکیہ و توکل رکھتے تھے، اُن کی خبرگیری اور ان کی رفاقت کے لئے خود رسول اللہ صلعم کو بارگاہِ رب العزت سے تاکید ہوتی تھی، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے، ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ اور ایک دوسرے مقام پر فرمان ملتا ہے، ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ان تاکیدی احکام نے ان فقرا، ومہاجرین کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا تھا کہ سرورِ کونینؐ جہان کہین انھین دیکھ لیتے تو ارشاد فرمائے "میرے ماں باپ تم پر فدا ہون کہ خدا نے تمھارے حق مین مجھ پر عتاب کیا،، (ص ۱۴-۱۵)

صفحاتِ مابعد مین فقر کی حقیقت و آداب پر بحث کی ہے، اور غنا کے مقابلہ مین اس کی افضلیت بہ دلائل ثابت کی ہے،

(۳) الباب الثالث فی التصوف (ص ۲۲-۳۱) تیسرا باب ماہیت تصوف پر ہے، حضرت مصنف حسب عادت اس باب کا بھی آغاز قولِ خدا و قولِ رسولؐ سے کرتے ہین، چنانچہ کلام الٰہی مین انھین اس باب کے تناسب یہ آیت ملتی ہے، وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ اور "احادیث" مین سے اس کو پیش کرتے ہین، جو بجائے حدیثِ رسول صلعم کے کسی بزرگِ امت کا مقولہ معلوم

ہوتا ہے، من سمع صوت اهل التصوف فلا یؤمن علی دعائهم کتب عند الله
من الغافلین اس کے آگے مصنف کتاب اللمع کی طرح انھون نے بھی تفصیلی بحث لفظ صوفی،، اور اس کے
اشتقاق پر کی ہے، لفظ صوفی کی تحقیق مین مختلف مذاہب ہین، ایک گروہ،

مردمان اندر تحقیق این اسم بسیار سخن گفته اند
وکتب ساخته وگروہے از ان گفته اند که صوفی
را برائے آن صوفی خوانده اند که جامۂ صوف
دارد، وگروہے گفته اند که صوفی را از برائے
آن صوفی خوانند که از صف اول باشد وگروہے
گفته اند که بدان صوفی گویند که تولّی به اصحاب
صفه رضی اللہ عنہم کرده اند وگروہے گفته اند
که این اسم از صفا مشتق ست و ہر کسے را
اندرین معنی اندر تحقیق این طریقت لطائف
بسیار است اما به مقتضائے لغت ازین
معنی بعید می باشد، (حـ ۲۲)

کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامۂ صوف مین ملبوس رہتے
تھے، اس لئے صوفی کہلائے بعض کا خیال ہے کہ لفظ
صوفی کا ماخذ صف اول ہے یعنی یہ حضرات چونکہ صف
اول مین رہتے تھے، اس لئے لقب صوفی سے موسوم
ہوئے، ایک گروہ کا مسلک ہے کہ چونکہ ان لوگون کو
اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی، اس لئے صوفی کہلائے
ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے
بتاتی ہے، اور ہر گروہ اپنی تائید مین دلائل وشواہد
لاتا ہے، لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہین
ہوتی،

شیخ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب ،، صفا،، سے لبریز ہو اور ،، کدر،، (گندگی)
سے خالی ہو، اور اس مرتبہ تک کاملانِ ولایت ہی پہونچ سکتے ہین،

صفا صفت کدر بود، کدر صفتِ بشر بود و بہ حقیقت صوفی بود آنکه او را از کدر گزر بود، (حـ ۲۳)

،،صوفی نامے ست کہ مر کاملانِ ولایت را محققان را بدین نام خوانند وخوانده اند،، (حـ ۲۵)

چنانچہ متقدمین مشائخ طریقت مین سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ:-

من صفاء الحب فهو صاف ومن	جس کو محبت صاف کردے اسی پر صاف کا اطلاق
صفاء الحبیب فهو صوفی،	ہوگا، اور جسے محبوب اپنے لئے صاف کرے اسے
(۲۵)	صوفی سے موسوم کرینگے،

اہل تصوف کے تین درجے ہین، صوفی، متصوف، اور مستصوف، تینون کی تعریف شیخ ہی کے الفاظ مین سننے کے قابل ہے،:-

درصوفی آن بود کہ از خود فانی بود و بحق باقی و از قبضۂ طبائع رستہ و بہ حقیقت پیوستہ و متصوف آنکہ بمجاہدہ این درجہ را ہمی طلبد و اندر طلب خود را بر معاملت ایشان درست ہمی کند و مستصوف آنکہ از برائے مال ومنال و جاہ و حظ دنیا خود را ماننداِیشان کردہ و از ین ہر دو چیز ہیچ خبر ندارد تا حدے کہ گفتہ اند المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب مستصوف بہ نزدیک صوفی از حقیرے چون مگس بود آنچہ کند نزدیک وے ہوس بود و نزدیک دیگران چون گرگ بے اختیار بود کہ ہمتش سخت مردار بود (ص ۲۵)

صوفی صاحب وصول ہوتا ہے کہ اسے وصل مقصود حاصل ہوچکا ہے، متصوف صاحب اصول ہوتا ہے کہ اصل پر قائم، اور احوال طریقت مین مشغول رہتا ہے، مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے جس کی قسمت مین حقیقت سے مجوبی اور معانی سے محرومی ہے، (ص ۲۵، ص ۲۶)

بعض صوفیہ متقدمین نے صوفی، و تصوف کی جو تعریفات بیان کی ہین، شیخ نے انھین بھی سنداً پیش کیا ہے، (ص ۲۶، ۲۹) مثلاً

(۱) الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن	حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہین کہ صوفی وہ ہے کہ جب
الحقائق وان سکت نطقت عنہ	گفتار مین آتا ہے، تو اس کی زبان اس کے حقیقت حال
الجوارح بقطع العلائق،	کی ترجمان ہوتی ہے، اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے

(ذوالنون مصریؒ)

اعضا شہادت دیتے ہین کہ وہ علائق کو قطع کر چکا ہے،

(۲) التصوف نعت اقیم العبد فیہ قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقۃ و نعت العبد رسماً،

(جنید بغدادیؒ)

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف نام اس صفت کا ہے جس مین بندہ کی اقامت ہو لوگون نے پوچھا یہ صفت بندے کی ہے یا حق کی جواب دیا کہ حقیقۃً وہ صفت حق کی ہے بہ ظاہر بندہ کی ہے،

(۳) التصوف ترک کل حظ للنفس

(ابوالحسن نوری)

حضرت ابوالحسن نوری کا قول ہے کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے،

(۴) الصوفیۃ ھم الذین صفت ارواحھم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق۔ (ایضاً)

انھین بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی وہ لوگ ہین جنکی ارواح آلایشون سے پاک ہو چکی ہے، اور وہ رب العزت کے حضور مین صف اول مین حاضر ہین،

(۵) الصوفی الذی لا یملک و لا یملک (ایضاً)

انھین بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی کا مالک ہو نہ کوئی اس کا مالک ہو،

(۶) التصوف رویۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون

(ابوعمر و دمشقیؒ)

ابوعمر و دمشقیؒ ارشاد کرتے ہین کہ تصوف نام ہے کائنات کی جانب نگاہ عیب جوئی سے دیکھنے کا، بلکہ سرے سے نہ دیکھنے کا،

(۷) التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن رویۃ الغیر و لا غیر،

(شبلیؒ)

حضرت شبلی فرماتے ہین کہ تصوف ایک طرح کا شرک ہے اس لئے کہ یہ نام ہے قلب کو "غیر" سے محفوظ رکھنے کا در انحالیکہ غیر کا سرے سے وجود ہی نہین،

(۸) التصوف صفاء السر من کدورۃ

شیخ حصریؒ کا مقولہ ہے کہ تصوف نام ہے قلب کو

المخالفة	(حصریؒ)	مخالفتِ حق کی کدورت سے پاک رکھنے کا۔
(۹) الصوفی لایری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ۔	(شبلیؒ)	شبلیؒ سے یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صوفی دونوں جہان میں بجز خدا کے کسی کو نہیں دیکھتا۔
(۱۰) التصوف اسقاط الرؤیۃ للحق ظاہرًا و باطنًا	(علی بن بندار صیرفی)	شیخ علی بن بندار نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ تصوف یہ ہے کہ صوفی کو اپنا ظاہر و باطن نظر نہ آئے۔ سب حق ہی حق نظر آئے۔

اس باب میں اہلِ تصوف کے مزید خصوصیات، اُن کے معاملات، اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی میں ان کی کوششوں کو بیان کیا ہے۔

(۴) الباب الاربعہ فی لبس المرقعات، (ص ۔ ص) چوتھے باب میں مرقع پوشی (یعنی پیوندکار لبادوں) کے فضائل کا ذکر ہے، اور اس دستور کو سنتِ رسول اور آثارِ صحابہؓ سے ثابت کیا ہے۔

(۵) باب فی ذکر اختلافہم فی الفقر والصفوۃ (ص ۔ ص) اس باب میں اس مسئلہ پر بحث ہے کہ فقر و صفا دونوں میں افضل کون ہے؟ بعض صوفیہ نے فقر کو ترجیح دی ہے۔ اور بعض نے صفا کو۔ شیخؒ نے محاکمہ کرنا چاہا ہے۔ پھر بھی بحث تشنہ رہ گئی۔

(۶) باب الملامۃ (ص ۔ ص) اس باب میں اس آیتِ قرآن کی تفسیر میں ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ طریقۂ ملامت کی ستائش کی ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ اہلِ حق راہِ حق میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے بلکہ خلق کی نظر میں رسوا و مطعون ہو کر اپنی تہمت و حق پرستی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اس طریقہ کی نشر و اشاعت کا سہرا شیخ ابو حمدون قصارؒ کے سر ہے۔

حصولِ ملامت کی تین صورتین ہین، ایک صورت "در است رفتن" یعنی معمولی طور پر راست روی کی ہے، لوگ اس مین خواہ مخواہ مطعون کرنے لگتے ہین، دوسری صورت "قصد کردن" کی ہے یعنی بالقصد ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے نفس کی حبِ جاہ کو صدمہ پہونچے، اور لوگ زبانِ طعن دراز کرین، یہ دونون صورتین محمود ہین، تیسری صورت "ترک کردن" کی ہے یعنی کوئی فعل خلافِ شریعت اختیار کرنا یہ طریقہ سرتاسر نامحمود اور نتیجہ کفر وضلالت طبعی ہے (ص ۱۳۴)

زمانۂ حال کے جو رنگین لباس اپنے تئین سلسلۂ ملامتیہ مین منسلک بتاتے ہین، عموماً اسی آخری طریقہ پر عمل کرتے رہتے ہین یعنی فرائض شرعی کا ترک اور منہیات شرعی کا ارتکاب، اور اپنی اس گمراہی کا نام فقر وتصوف رکھتے ہین، اس طبقہ کو پیشِ نظر رکھکر، شیخ کے الفاظِ ذیل کا مطالعہ عبرت ودلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

اما آنکہ طریقش ترک باشد وخلافِ شریعت
چیزے بر دست گیرد وگوید کہ این طریقِ ملامت
می ورزم، آن ضلالت واضح باشد وآفت
ظاہر، وہوس صادق، چنانچہ اندرین زمانہ
بسیارے ہستند کہ مقصود شان از رد خلق قبول
ایشان بود، (ص ۳۳)

جو شخص طریق ترک کو اختیار کرتا ہے اور خلافِ شریعت
کسی فعل کا ارتکاب کرکے کہتا ہے کہ مین اصول ملامتیہ
کی پیروی کررہا ہون، اس کا یہ فعل ضلالت واضح معصیت
روشن اور ہوس صریح ہے، چنانچہ آج کل بہت سے ایسے
لوگ پیدا ہوگئے ہین جنکا مقصود طریق ملامتیہ کے
پردہ مین نمود ونمائش ہوتا ہے نہ کہ اس کا ترک،

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کیا ہے، کہ ان کا ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک مصنوعی ملامتی کا ساتھ ہوگیا، اس نے ایک بدکرداری کی، اور اس کی غرض تحصیلِ ملامت بیان کی، ان کے ایک رفیق نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا، اس پر اس نے آہ سرد کھینچی، شیخ نے کہا اگر ملامتی ہونے کے مدعی ہو، اور اپنے اعتقاد مین سچے ہو، تو اس رفیق کا ٹوٹنا تمھین گران

کیوں گذرا انھیں تو اور خوش ہونا چاہیئے تھا، کہ مقصدِ ملامت حاصل ہو رہا ہے،" شیخؒ کا یہ فقرہ آجکل کے شریعت شکن مدعیانِ فقر و کرامت کے لئے خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے،

ہر کہ خلق را دعوت کنند بامرے از حق مرآن	جو شخص خلق کے سامنے دعوتِ حق سے کر آنے کا
رابرہانے باید برہان آن حفظِ سنت باشد	مدعی ہوتا ہے، اسے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں
چون از تو ترک فریضہ بیم و تو خلق را بدان	کوئی دلیل بھی لانا چاہیئے، اور یہ دلیل پابندیٔ سنت
دعوت میکنی این کار از دائرۂ اسلام می باشد	رسول صلعم ہے اگر دعوتِ حق کے مدعی ہو، مگر جب
(ص۳۵)	تم نے صریحاً ترکِ فریضہ کیا تو یہ فعل دائرۂ اسلام سے خارج

(۷) باب فی ذکر ائمتہم من الصحابہؓ (ص۲۰۔۱۱۱) اس باب میں خلفاء اربعہؓ کا ذکر ہے، جو تمام صوفیوں کے سرگروہ و پیشوا ہوئے ہیں، اور اس میں قدرتاً سب سے زیادہ اہمیت حضرت صدیقؓ و حضرت امیرؓ کو دی گئی ہے حضرت صدیقؓ کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے

"شیخ الاسلام و بعد از انبیا خیر الانام، خلیفہ و امام، و سید اہل تجرید و شاہنشاہِ اربابِ تفرید، و از آفاتِ انسانی بعید، امیر المومنین ابوبکر عبد اللہ الصدیق کہ ویرا کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر........ و مشایخ ویرا مقدم اربابِ مشاہدت نہند"

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر ان الفاظ میں ہے،

"برادرِ مصطفےٰ و غریقِ بحرِ بلا و حریقِ نارِ ولا و مقتدائے جملہ اولیا و اصفیا ابو الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اورا اندرین طریقت شانے و درجہ رفیع بود......... تا حدے کہ جنید گوید رحمۃ اللہ علیہ شیخنا فی الاصول و البلاء علی المرتضیٰ شیخ ما اندر اصول و اندر بلا کشیدن علی مرتضیٰ است یعنی امام ما اندر علم طریقت و معاملات آن علی مرتضیٰ است،...... اہل این طریقت اقتدا کنند بہ او اندر حقائق عبارات و دقائق اشارات و تجرید از معلوم دنیا و آخرت و نظارۂ اندر تقدیر

حق و لطائف کلام وے بیشتر از آن ست کہ بہ عدد اندر آید،، (ص۵۱)

حضرت عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے مبارک تذکرے بھی تقریباً ایسے ہی شاندار الفاظ مین ہین،

(۸) باب فی ذکر ائمتہم من اہل البیت (ص۵۱ تا ص۵۵) یہ باب مناقب اہل بیت خصوصاً امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام زین العابدینؒ، امام ابوجعفر بن باقرؒ، وامام جعفر صادقؒ کے کمالات عالیہ پر مشتمل ہے،

(۹) باب فی ذکر اہل الصفہ (ص۵۵، ص۶۰) اصحاب صفہ کے حالات مین مصنف نے اپنی ایک مستقل تصنیف منہاج الدین کا حوالہ دیا ہے، اس باب مین صرف ان کے اسمار گرامی کو شمار کر دیا ہے،

(۱۰) باب فی ذکر ائمتہم من التابعین، (ص۶۰، ص۶۳) یہ باب اویس قرنی، ہرم بن حیان، خواجہ حسن بصری، اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہم کے تذکرون پر مشتمل ہے، گویا تابعین مین صوفیون کے سردار و پیشوا یہ حضرات ہوئے ہین،

(۱۱) باب فی ذکر ائمتہم من تبع التابعین (ص۶۳ ص۱۱۶) اس باب کے تحتانی عنوانات ۳۹ ہین اور ہر عنوان ایک ایک بزرگ کے تذکرہ کے لئے وقف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، مالک بن دینارؒ، احمد حنبلؒ، حبیب عجمیؒ، ذوالنون مصریؒ، داؤد طائیؒ، معروف کرخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، سری سقطیؒ، فضیل بن عیاضؒ، جنید بغدادیؒ، ابوبکر شبلیؒ، منصور حلاج، ان چند پر سارے عنوانات کو قیاس کرنا چاہئے گویا طبقہ تبع تابعین مین اکابر صوفیہ کی فہرست ابوحنیفہ شافعی و احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سے شروع ہوتی ہے،

(۱۲) باب فی ذکر ائمتہم من المتاخرین، (ص۱۱۶، ص۱۲۳) متاخرین صوفیہ مین دس بزرگون کے حالات

درج کیے ہیں جنمین ابو الحسن خرقانی، و امام ابو القاسم قشیری، کے نام خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

(۱۳) باب فی ذکر الرجال الصوفیہ من المتاخرین علی الاختصار من اہل البلدان (ص ۱۲۳-۱۲۶)

اسے باب ماقبل کا تکملہ سمجھنا چاہئے، اس میں معاصرین صوفیہ کا تذکرہ ہے، اور ان کے طبقات کو ان کی وطنیت کی بنا پر تقسیم کیا ہے مثلاً صوفیۂ شام و عراق صوفیۂ پارس صوفیۂ قہستان، آذر بائیجان و طبرستان صوفیۂ کرمان، صوفیہ خراسان صوفیۂ ماوراء النہر صوفیہ غزنین،

(۱۴) باب فی فرق فرقہم فی مذاہبہم، (ص ۱۲۶-۲۰۰) کتاب کا سب سے طویل و ضخیم باب یہی ہے، اس میں صوفیہ کے مختلف سلاسل، ان کے اصول اور باہمی فروق کا ذکر ہے، شیخ کے استقصا میں اس وقت تک صوفیہ کے کل بارہ سلسلے تھے جنمین سے دس مقبول اور اہل حق تھے، اور باقی دو مردود اور اہل ضلالت تھے، دس مقبول سلسلون کے نام مع ان کے بانیون کے حسب ذیل ہیں:-

	نام سلسلہ	نام بانی سلسلہ
(۱)	محاسبیہ،	عبد اللہ بن حارث محاسبیؒ
(۲)	قصاریہ،	ابو حمدون قصارؒ
(۳)	طیفوریہ،	بایزید بسطامیؒ
(۴)	جنیدیہ،	جنید بغدادیؒ،
(۵)	نوریہ،	ابو الحسن نوریؒ
(۶)	سہلیہ،	سہل تستریؒ
(۷)	حکیمیہ،	حکیم ترمذیؒ
(۸)	خرازیہ	ابو سعید خرازؒ

	نام سلسلہ	نام بانیٔ سلسلہ
(۹)	خفیفیہ	ابوعبداللہ خفیف
(۱۰)	سیاریہ	ابوالعباس سیاری،

گیارھوین سلسلہ کا نام جو مردود دین و اہل ضلالت کا ہے، سلسلۂ حلولیہ ہے، جس کا بانی ابوحلمان دمشقی ہوا ہے، بارھوین سلسلہ کا نام کہ وہ بھی مردود ہے، درج کتاب نہین، اس کا انتساب فارس[1] کی جانب کیا جاتا ہے، (ص۱۹۵) اس باب مین ضمناً اکثر مہمات مسائل تصوف پر بحث آگئی ہے، چند تحتانی ابواب کے عنوانات سے نوعیت مضامین کا اندازہ ہوسکے گا، حقیقت رضا، فرق بین الحال والمقال، الکلام فی السکر والصحو، الکلام فی حقیقۃ النفس ومعنی الھوی، الکلام فی مجاہدۃ النفس، الکلام فی حقیقۃ الھوی، الکلام فی اثبات الولایت، الکلام فی اثبات الکرامت، الکلام فی البقاء والفناء، الکلام فی الغیبۃ والحضور، الکلام فی الجمع والتفرقہ، تفضیل الانبیاء والاولیاء علی الملائکہ وقس علی ہذا،

باب چہاردہم تک گویا تاریخی و تنقیدی حصہ تھا، اس کے بعد سے کشف المحجوب مین مستقلاً مسائل سلوک کی تشریح شروع ہوتی ہے، اور حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے، مصنف نے گیارہ حجابات قرار دیئے ہین اور آئندہ ہر باب مین ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے، ہر باب متعدد فصول پر منقسم ہے، عنوانات ابواب پر نظر کرنا کافی ہوگا،

(۱۵) کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ، ص۲۰۰ تا ص۲۰۸،

(۱۶) کشف الحجاب الثانی فی التوحید، ص۲۰۸ تا ص۲۱۵،

(۱۷) کشف الحجاب الثالث فی الایمان، ص۲۱۵ تا ص۲۱۹،

[1] ملا جامی نے ان کا پورا نام فارس بن عیسٰی بغدادی درج کیا ہے، (نفحات الانس ص۲۱۳ مطبوعہ کلکتہ)

باشد زندہ بجان و چون جان از وے جدا شود، آن شخص مردار بے باشد و جان چون باوے
کہ قیمت شان از مقارنت یکدیگر است، ہمچنین شریعت بے حقیقت ریاء بود، و حقیقت بے شریعت
نفاق، و خداوند گفت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، مجاہدت شریعت
آمد و ہدایت حقیقت، آن یکے حفظ بندہ باشد امر احکام ظاہر را بر خود، و آن دیگر حفظ حق بود مر
احوالِ باطن را بر بندہ، پس شریعت از مکاسب بود و حقیقت از مواہب، ص ۳۸۰

اس کے بعد مختصراً اور بہت سے مصطلحاتِ صوفیہ کے معانی درج کئے ہیں مثلاً حق حقیقت، ذات
صفت، جوہر،

(۲۵) کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع، ص ۳۰۶ تا ۳۲۸، یہ آخری باب جو سماع سے متعلق
ہے، بجائے خود دس حصوں میں منقسم ہے، جن کے عنوانات یہ ہیں، باب سماع القرآن، باب سماع
الشعر، باب سماع الاصوات والالحان، باب فی احکام السماع، باب اختلافہم فی السماع، باب مراتبہم
فی السماع، باب فی الوجد والتواجد، باب فی الرقص، باب فی الخرق، باب فی آداب السماع،

شیخ کے نزدیک سماع کی بہترین صورت سماعِ آیاتِ قرآنی ہے، فرماتے ہیں،

"ادنیٰ ترین سماع مسموعات، مر دل را بہ فوائد، مر سر را بہ زوائد، و گوش را بہ لذت، کلام خداوند
عز اسمہ است، و مامورند ہمہ مومنان و مکلف اند ہمہ کافران از آدمی و پری شنیدن کلام ایزد تعالیٰ"
(ص ۳۰۷)

سماعِ قرآن کی فضیلت و استحسان سے تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا، قابلِ بحث
شے سماعِ مروجہ یعنی سماعِ غنا ہے، شیخ خود سماع سنتے تھے، اور اسوۂ رسول صلعم اور آثارِ صحابہؓ کی
سند اپنے عمل کی تائید میں رکھتے تھے، (ص ۳۱۲، ۳۱۶) چنانچہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کی کتاب السماع کا حوالہ
بھی دیتے ہیں، جس میں انھوں نے جوازِ سماع کی تائید میں احادیثِ رسول صلعم و آثارِ صحابہؓ کو نقل کیا

ہے (ف ۱۳) تاہم فرماتے ہیں کہ:

مراد مشائخ متصوفہ ازیں طلبیدن نہ اباحت
از انچہ اعمال فوائد پدید آرد اباحت طلبیدن کار عوام
باشد در عمل مباح متوجہ اند بندگان حکمت
را باید تا از کردار فائدہ طلبند (ف ۱۴)

مشائخ صوفیہ اباحت سماع کے منکر نہیں رہتے
اس لئے کہ کسی عمل کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں بلکہ فوائد
کی بنا پر اختیار کرنا چاہئے، تو اباحت میں صرف
عوام رہتے ہیں، صرف جواز و اباحت کے لئے کافی
ہو سکتی ہے، انسان جس کے لئے تکالیف شرعی رکھی
گئی ہیں، اسے چاہئے کہ عمل کو فوائد روحانی
کی بنا پر اختیار کرے۔

اس کے آگے ایک بیانی واقعہ تحریر فرماتے ہیں جو اس مسئلہ پر قول فیصل کا حکم رکھتا
ہے کہتے ہیں کہ:

وقتی من بہ مرو بودم یکی از ائمہ اہل حدیث
کہ معروف ترین ایشان بود مرا گفت کہ من اندر
اباحت سماع کتابی کردہ ام گفتم بزرگ مصیبتی
کہ اندر دین پدید آمد کہ خواجہ امام لہوی
را کہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کردی مرا گفت
پس اگر حلال نمی دانی تو چرا میکنی گفتم حکم
این بر وجوہ است بر یک چیز قطع نتوان
کرد اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال
بود و اگر حرام بود حرام و اگر مباح بود مباح

ایک زمانہ میں مرو میں تھا، ایک بزرگ جو ان دنوں
مشہور ترین امام اہل حدیث تھے مجھ سے کہا کہ میں نے
جواز سماع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، میں نے
کہا کہ یہ تو بڑا غضب ہوا کہ حضرت امام نے ایک
ایسے لہو کو حلال کر دیا جو ہر فسق کی جڑ ہے، انہوں
نے کہا اگر تم حلال نہیں سمجھتے ہو تو خود کیوں سنتے
ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر
منحصر ہے کسی ایک حکم قطعی کو اس پر نہیں لگایا
جا سکتا، اگر سماع سے دل پر اثر حلال پیدا

چیزے را کہ حکمِ ظاہرش فسق است و اندر باطن حالش روشن بر وجوہ است، اطلاق آن بہ یک چیز محال باشد۔ (ص ۳۱۶)

ہوتی ہے تو سماع حلال ہے، اگر حرام پیدا ہوتی ہو تو حرام ہے، اگر مباح پیدا ہوتی ہے تو مباح ہے۔ ایسی شے جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے، اور جس کا باطن مختلف احوال کا تابع ہے، اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا محال ہے،

کتاب کے سب سے آخری باب مین جو آداب السماع کے عنوان سے ہے، شیخ نے حسب ذیل شرائطِ سماع تحریر کیئے ہین:۔

(۱) خواہ مخواہ ارادہ کرکے سماع نہ سنے طبیعت کو جب از خود رغبت ہو، اس وقت سنے،

(۲) بہت کثرت سے سماع کبھی نہ سنے، کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے بلکہ کبھی کبھی سنے، تاکہ ہیبتِ سماع دل پر قائم رہے،

(۳) محفلِ سماع مین ایک مرشد یا پیرِ طریقت موجود رہے،

(۴) محفل مین عوام نہ شریک ہون،

(۵) قوال پاکباز ہو، فاسق نہ ہو،

(۶) قلب مکروہات دنیوی سے خالی ہو،

(۷) طبیعت لہو و لعب کی جانب آمادہ نہ ہو،

(۸) کسی قسم کا تکلف نہ کیا جائے،

تاثیرِ سماع کے چند مُوثر واقعات لکھنے کے بعد، اور یہ تسلیم کرکے کہ سماع بعض صورتون مین نفس انسانی کا بہترین مصلح ہوتا ہے، شیخ اپنے تئین اپنا یہ تلخ تجربہ بھی قلمبند کرنے پر مجبور پاتے ہین کہ

اندرین زمانہ گروہے گم شدگان بہ سماعِ فاسقان حاضر شوند، و گویند کہ سماع از حق میکنیم و فاسقان

اس زمانہ مین گمراہون کا گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو فاسقون کی محفلِ سماع مین شریک ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہم سماع

از آنکہ ایشان مرا ایشان را اندران موافقت کنند بر سماع کردن و بہ فسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشان ہلاک شوند، (ص ۳۲۱)	حق کے لئے سنتے ہیں، فاسقوں کا فسق و فجور اس سے اور بڑھتا ہے، یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں برباد ہو جاتے ہیں،

یہ حال جب آج سے نوسو سال قبل کا تھا، تو پھر موجودہ مشائخ، پیرزادوں، اور سجادہ نشینوں کی عام محافلِ سماع کس حکم میں داخل ہوں گی؟

باب (۳)

رسالۂ قشیریہ

(امام ابو القاسم قشیریؒ)

استاد ابو القاسم قشیری، شیخ ہجویری صاحب کشف المحجوب کے بزرگ اور ہم عصر تھے، شیخ ہجویریؒ نے پانچوین صدی کے وسط مین اپنی تالیف فارسی مین کی، استاد قشیری، چند سال قبل اپنا رسالہ عربی مین مرتب کر چکے تھے، تصوف کے موجودہ قدیم ذخیرہ مین شہرت و استناد کا جو مرتبۂ امتیاز رسالہ کو حاصل ہے، کمتر کسی اور کے نصیب مین آیا، کتاب اللمع کا پتہ لگنے سے پیشتر دنیا مین تصوف کی قدیم ترین کتاب یہی رسالہ خیال کیا جاتا تھا،

(۱) مصنف

تذکرون مین حالات بہت مختصر ملتے ہین، اسم گرامی ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری، لقب زین الاسلام تھا[1] مولد خراسان[2]، مدفن نیشاپور ہے[3]، تاریخ ولادت بقول شیخ الاسلام ذکریا انصاری شارح رسالہ، ربیع الاول ۳۷۶ھ ہے[4]، تاریخ وفات سب کے نزدیک مسلم ہے، ۱۶ ماہ ربیع الثانی ۴۶۵ھ، اس حساب سے ۸۹ سال کی عمر ہوتی ہے، ہنوز بچہ تھے، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ابتدائی

---

[1] مدینۃ العلوم ارنیقی، [2] سفینۃ الاولیاء، (ص۱۲۵) لکھنؤ، [3] رسالۂ قشیریہ، مطبوعہ مصر، سرورق، [4] ایضاً،

تعلیم ابوالقاسم یمانی سے حاصل کی، جو عربی زبان و ادب کے نامور استاد تھے، خدا رسی کے شوق میں شیخ وقت ابو علی دقاق کی خدمت میں حاضر ہوئے، ارشاد ہوا کہ پہلے علوم دینی میں کمال حاصل کرو، اس حکم کی تعمیل میں تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فقہ، نحو، شعر وغیرہ جملہ علوم متداولہ میں تبحر حاصل کیا، چنانچہ جن حضرات سے استفادہ کیا، وہ اس زمانہ کے بہترین ماہرین فنون تھے، مثلاً ابو الحسن بن بشران، ابو نعیم اسفرائنی، ابو بکر طوسی، ابو بکر بورک، ابو اسحق اسفرائنی وغیرہم[1]

علوم ظاہری میں فراغت کے بعد ابو علی دقاق کی خانقاہ تصوف و فقر میں قدم رکھا اور ان کی صاحبزادی سے عقد بھی کیا، ان کے وصال کے بعد شیخ عبد الرحمٰن سلمی (صاحب طبقات الصوفیہ) سے مستفید ہوتے رہے، بیعت شیخ دقاق ہی سے تھی[2]، رسالہ میں ان کا ذکر خاص عقیدت کے ساتھ کیا ہے، اور ان کے نام کے ساتھ لقب استاد کا اضافہ کرتے گئے ہیں۔

تصانیف ہر فن پر کثرت سے چھوڑیں، اور محققانہ، شیخ ہجویری فرماتے ہیں:-

"... اندر ہر فن او را لطائف بسیار است، و تصانیف نفیس جملہ بالتحقیق" (کشف المحجوب ص[3])

شاہ عبد العزیز دہلوی نے تصانیف ذیل کا ذکر کیا ہے[4]:-

(۱) رسالۂ قشیری،

(۲) ایک عظیم الشان و بے مثل تفسیر قرآن[5] "تفسیرے است نہایت کلاں و از بہترین تفاسیر است[6]"

(۳) نحو القلوب،

---

[1] یہ ساری معلومات بستان المحدثین، شاہ عبد العزیز دہلوی سے ماخوذ ہیں، ص ۸۵ (مطبوعہ لاہور) [2] ایضاً [3] نفحات الانس ص ۳۴۱ کلکتہ [4] بستان المحدثین [5] صاحب مدینۃ العلوم نے اس کا نام تفسیر کبیر لکھا ہے۔ ھو من اجل التفاسیر و اوضحہا [6] بستان المحدثین، علامہ عصر میں قرآن کے ماہر ترین عالم مولانا حمید الدین صاحب نظم القرآن کی زبانی بھی یہی تعریف سنی ہے۔

(۴) لطائف الاشارات،

(۵) کتاب الجواہر،

(۶) کتاب احکام السماع،

(۷) کتاب آداب الصوفیہ،

(۸) کتاب عیون الاجوبہ،

(۹) کتاب المناجات،

(۱۰) کتاب المنتہیٰ،[۱]

عبادت میں جو شغف و اہتمام تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مرض الموت میں نوافل تک ترک نہ ہونے پائیں، اور نمازیں برابر کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے[۲]

فقر و تصوف میں جو پایہ رکھتے تھے، اس کی کیفیت شیخ ہجویری کے الفاظ ذیل سے معلوم ہوگی،

"استاذ امام و زین الاسلام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری، اندر زمانہ خود بدیع بود، و قدرش رفیع و منزلتش بزرگ و معلوم است اہل زمانہ را روزگار وے، و انواع فضائلش، و اندر ہر فن او را لطائف بسیار است، و تصانیف نفیس، جملہ با تحقیق، و خداوند تعالیٰ حال و زبان وے را از حشو محفوظ گردانیدہ بود،" (کشف المحجوب ص ۱۲۱)

مدینۃ العلوم کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاضل ہمہ داں اور جملہ علوم و فنون کے جامع تھے،

کان جامعًا بین اشتات العلوم، کان فقیہًا اصولیًا محققًا محدثًا حافظًا متغنیًا نحویًا لغویًا کاتبًا، شاعرًا

[۱] مدینۃ العلوم میں جو فہرست تصانیف دی ہوئی ہے، وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے، [۲] بستان المحدثین ص ۔

منصور حلاج سے متعلق صوفیہ کے ایک بڑے گروہ کو تردد وتذبذب رہا ہے، استاد قشیری کا یہ قول، جو متعدد تذکروں میں منقول ہے، اس باب میں قول فیصل سمجھا جاتا ہے ؛۔

"چنانکہ استاد ابو القاسم قشیری گفت در حق او کہ اگر مقبول بود بہ رد خلق مردود نہ گردد و اگر مردود بود بہ قبول خلق مقبول نہ گردد[1]"

شیخ ابو الحسن خرقانی کی عظمت سے قلب بہت زیادہ متاثر تھا، صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں :۔

"از استاد ابو القاسم قشیری شنیدم کہ چوں من بولایت خرقان اندر آمدم فصاحتم برسید و عبارتم نماند از حشمت آں پیر، و پنداشتم کہ از ولایت خود معزول شدم "۔ (ص۱۱۱)

یعنی استاد قشیری مجھ سے فرماتے تھے کہ جب میں خرقان پہونچا تو اس بزرگ کی ہیبت اس درجہ طاری ہوئی کہ گویائی جاتی رہی، اور تاب گفتگو نہ رہی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں

یہ قول شیخ فرید الدین عطار نے بھی نقل کیا ہے، (تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص۲)

صاحب کشف المحجوب نے امام قشیری کے متعدد صوفیانہ اقوال اپنے یہاں نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک آدھ درج کئے جاتے ہیں،

مردماں اندر فقر و غنا سخن گفتہ اند و خود را اختیارے کردہ، و من آں اختیار کنم کہ حق مرا اختیار کند و مرا اندر آں نگاہ دارد، اگر تونگر داردم غافل نباشم و اگر درویش خواہدم حریص و معترض نباشم (ص۱۸)

لوگوں کے اقوال فقر و تونگری سے متعلق مختلف ہیں، اور کسی نے ایک کو اپنے لئے اختیار کیا ہے، کسی نے دوسرے کو، لیکن میں اسی شے کو اختیار کرتا ہوں جو خدا میرے لئے اختیار کرے اور جیسے مجھے رکھے، اگر تونگر بنا کر رکھے تو غافل نہ ہونگا، اگر فقیر بنا کر رکھے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار جلد ۲ ص ۱۳۵،

توحریص و نافرمان ہو کر نہ رہونگا،

مثل الصوفی کعلۃ البرسام اولہ ہذیان واٰخرہٗ سکوت فاذا تمکنت خرست

صوفی کی مثال مرض برسام کی سی ہے، جس کے ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور انتہا میں سکوت یعنی جب تم کمال کو پہونچ جاتے ہو تو زبان گنگ ہو جاتی ہے،

شیخ فریدالدین عطارؒ کی روایت ہے کہ امام قشیری سماع کے قائل نہ تھے:۔

"نقل است کہ استاد ابوالقاسم سماع را معتقد نہ بود"، (جلد ۲، ص ۲۳۲)

لیکن خود رسالۂ قشیریہ میں سماع سے انکار صریح نہیں پایا جاتا، بین بین کی سی حالت ہے، روایت ذیل کی ذمہ داری حضرت عطارؒ پر ہے،

جس صبح کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور وارد ہونے والے ہیں، اُس کی شب میں خود استاد ابوالقاسم قشیریؒ اور اُن کے تیس مریدوں نے خواب دیکھا کہ آفتاب زمین پر اتر آیا ہے، صبح کو شہر میں شیخؒ کے ورود کا غلغلہ ہوا، استاد موصوفؒ نے اپنے حلقہ نشینوں کو شیخؒ کے پاس حاضر ہونے سے منع کر دیا، لیکن جن جن شاگردوں نے وہ خواب دیکھا تھا سب حاضر خدمت ہوئے، استادؒ کو اس سے ملال ہوا، اور وہ خود شیخؒ سے ملنے نہ آئے، ایک روز سر منبر استادؒ نے بیان فرمایا کہ:۔

"مجھ میں اور ابوسعیدؒ میں یہ فرق ہے کہ ابوسعیدؒ خدا کو دوست رکھتا ہے، اور خدا مجھکو، پس اسکے اور میرے وہ نسبت ہے جو ذرہ کو کوہ سے ہوتی ہے"،

کسی نے یہ مقولہ شیخؒ کے سامنے نقل کیا، ارشاد ہوا کہ، "میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، ذرہ اور کوہ سب کچھ وہی ہے"، استادؒ نے یہ خبر سنی، تو اور زیادہ اشتعال پیدا ہوا، اور سر منبر کہدیا کہ جو شخص ابوسعید کی مجلس میں جائیگا وہ بدنصیب یا مردود ہے، عین اسی شب کو خواب میں حضرت سرور کونین صلعم کی زیارت ہوئی، اس صورت کے ساتھ کہ حضور کہیں تشریف لئے جا رہے ہیں، عرض کیا کہ، "قصد مبارک

کہاں کا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا کہ مجلس ابوسعید کو کہ جو شخص وہاں حاضر نہ ہوگا وہ درگاہ سے مغضوب ہے،
استاد گھبرا کر بیدار ہوئے اور وضو کر کے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے، یہاں جو شیخ کی عظمت
شان و شوکت دیکھی پھر رکیا بدگمانی پیدا ہوئی اور دل میں خطرہ گذرا کہ شیخ علم و فضل میں مجھ سے
زیادہ نہیں مگر مرتبہ روحانی میں ہم دونوں برابر ہیں پھر یہ اعزاز و اکرام کس بات سے ہے، حضرت شیخ کو
بذریعہ کشف استاد کے اس خطرہ پر اطلاع ہوگئی، اور شب کے واقعات کا پورا بیان شروع کیا، استاد
کے تمام شکوک دور ہوگئے اور طبیعت بالکل صاف ہوگئی، شیخ جب منبر سے اترے تو دونوں صاحب
بغلگیر ہوئے، استاد ابوالقاسم اپنے خیالات سے تائب ہوئے اور ربط باہمی اتنا بڑھا کہ بعد ازاں اپنے
قول کی تردید مجلس میں سر منبر فرمائی۔

جو شخص ابوسعید کی مجلس میں حاضر ہوا مجبوراً معتقد ہو جاتا، حضرت عطار نے بھی اس روایت
کے بعد نقل کیا ہے کہ استاد ابوالقاسم سماع کے منکر تھے، ایک روز شیخ ابوسعید کی خانقاہ کے سامنے
سے گذرے اس وقت محفل سماع گرم تھی، استاد نے اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ جو اس قدر
برہنہ سر و برہنہ پا ناچتے پھرتے ہیں، شریعت میں ایسا شخص مستند نہیں اور ان کی گواہی کا
اعتبار نہیں، شیخ نے اسی وقت ایک شخص کو دوڑایا کہ استاد سے پوچھو کہ ہم لوگوں کو تم نے کس حیثیت
کو دیکھا تھا کہ گواہی کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا سوال پیدا ہوا۔

(۲) تصنیف

کتاب کا پورا نام رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ہے، سال تالیف حسب تصریح حضرت
مصنف سنہ ۴۳۷ھ ہے، رسالہ کے مخاطب اصلی جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہے معاصر جماعت صوفیہ ہے

تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۔۔۔ پوری حکایت اسرار التوحید میں ہے یہاں مختصراً درج کی گئی ہے۔ رسالہ قشیریہ مطبوعہ مصر صفحہ ۔۔۔

جس کے ارکان کے نام یہ رسالہ گویا (بہ اصطلاح موجودہ) بطور "کھلے خط" کے شایع کیا گیا ہے، چنانچہ مخاطبین سے اکثر صیغۂ جمع حاضر میں خطاب ہے، غرضِ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ صوفیہ متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے، ان کے طریقے بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے، اب بجائے اُن کے جو لوگ ان کی نیابت کے مدعی ہیں، ان پر حرص و ہوا غالب ہے، وہ مجاہدات و عبادات کے تارک ہیں، اور غفلت و شہوت میں مبتلا،

اعلموا رحمکم اللّٰہ ان المحققین من ھذہ الطائفۃ انقرض اکثرھم ولم یبق فی زماننا من ھذہ الطائفۃ الا اثرھم۔۔۔ حصلت الفترۃ فی ھذہ الطریقۃ لابل اندرست الطریقۃ بالحقیقۃ مضی الشیوخ الذین کانوا بھم اھتداء وقل الشباب الذین کان لھم بسیرتھم وسنتھم اقتداء وزال الورع وطوی بساطہ واشتد الطمع وقوی رباطہ وارتحل عن القلوب حرمۃ الشریعۃ فعدوا قلۃ المبالاۃ بالدین اوثق ذریعۃ ورفضوا التمییز بین الحلال والحرام ودانوا بترک الاحترام وطرح الاحتشام واستخفوا باداء العبادات واستھانوا بالصوم والصلوٰۃ ورکضوا فی میدان الغفلات ورکنوا الی اتباع الشھوات[1]

جب ان نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی، عبادت و طاعات میں انہماک کے بجائے ان کے ساتھ استخفاف شروع ہو گیا، شریعت کے اتباع کے بجائے اس کی خلاف ورزی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھنے لگے، روحانیت سے کوئی واسطہ نہ رہا، اور سرتاسر نفسانیت غالب آگئی، تو مخالفین کو حقیقتِ تصوف سے انکار اور معترضین کو مسلکِ حقیقت پر اعتراض کے مواقع کثرت سے ملنے لگے، ایسی حالت میں مصنف کو ضروری معلوم ہوا کہ اس جماعت کی خدمت میں ایک رسالہ پیش کیا جائے جس میں سلف کے صوفیہ صافیہ کے حالات کا بیان اور ان کے اخلاق، عبادات، عقائد، معاملات وغیرہ کا ذکر ہو۔

[1] رسالہ قشیریہ ص ۱ مطبوعہ مصر

فعلقت هذه الرسالة الیکم اکرمکم اللہ وذکرت فیھا بعض سیر الشیوخ هذه الطریقۃ فی آدابھم واخلاقھم ومعاملاتھم وعقائدھم بقلوبھم وما اشاروا الیہ من مواجید ھم وکیفیۃ ترقیھم من بدایتھم الی نھایتھم لتکون لمریدی ھذہ الطریقۃ قوۃ۔

یہ حال پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں حضرات صوفیہ کا تھا، اس معیار سے اگر دور موجودہ کے اکثر مدعیانِ فقر و تصوف کے اعمال و افعال پر نظر کیجائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کن الفاظ میں اظہار رائے کرنا پڑیگا!

مطبوعہ رسالہ چوڑی تقطیع اور باریک ٹائپ کے ۱۸۷ صفحہ پر آیا ہے،

ابتدا کے چند صفحات (۲-۷) اصولِ توحید و مسائلِ توحید کے بارے میں متقدمین کے اقوال منقولہ کی نذر ہیں،

باب اول کا عنوان فی ذکر المشائخ ھذہ الطریقۃ وما یدل من سیرھم و اقوالھم علی تعظیم الشریعۃ ہے، اس کے ذیل میں کچھ اوپر اسی بزرگوں کا تذکرہ ہے، جن میں سے ہر ایک اپنے ملک اور زمانہ میں تصوف کا رکن رکین ہو اہے، مثلاً ابراہیم ادھم، فضیل عیاض، ذوالنون مصری، معروف کرخی، سہل تستری، سری سقطی، بایزید بسطامی، یحییٰ معاذ رازی، شقیق بلخی، جنید بغدادی وغیرہم رحمہم اللہ، کتاب کا یہ طویل ترین باب ہے، جو ص ۷ سے لے کر ص ۱۳۱ تک آیا ہے،

آغازِ باب میں لفظ تصوف و طریقۂ تصوف کی تاریخ چند لفظوں میں بیان کی ہے۔

ان المسلمین بعد رسول اللہ صلعم لم یتسم افاضلھم فی عصرھم بتسمیۃ علم	رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے معاصر مسلمان کے لئے سب زیادہ پر فخر و افضل لقب صحابی کا ہو سکتا تھا، چنانچہ

سوی صحبۃ رسول اللہ صلعم اذ لا فضیلۃ فوقہا فقیل لہم الصحابۃ ولما ادرک اہل العصر الثانی سمی من صحب الصحابۃ التابعین وراوا ذلک اشرف سمۃ ثم قیل لمن بعدہم اتباع التابعین ثم اختلف الناس وتباینت المراتب فقیل لخواص الناس ممن لہم شدۃ عنایۃ بامر الدین الزہاد والعباد ثم ظہر البدع وحصل التداعی بین الفرق فکل طریق ادعوا ان فیہم زہادا فانفرد خواص اہل سنہ المراعون انفاسہم مع اللہ تعالٰی الحافظون قلوبہم عن طوارق الغفلۃ باسم التصوف واشتہر ہذا الاسم لہؤلاء الاکابر قبل

اسی لقب سے اس وقت کے افاضل موسوم ہوئے، اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان صحابیین صحابہ کے لئے تابعین کی اصطلاح چلی، اور ان کی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے، اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو امورِ دین میں زیادہ غلو و انہماک ہوا انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا، لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا، اور فرقہ فرقہ الگ ہو گئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن بیٹھا کہ زہاد و عباد اسی میں ہیں، اس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رہتا تھا، اپنے لئے "اہل تصوف" کی اصطلاح قائم کی، اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقۂ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص ہو گیا۔

(الرسالۃ القشیریہ صفحہ ۲۰۶)

ذیل میں اکابرِ طریقت کی چند حکایات و اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کی ماہیت کیا تھی، اور اسے موجودہ مشایخ اور پیرزادوں کی رسوم پرستی سے کچھ بھی علاقہ تھا۔

حضرت بشر حافی جس پایہ کے امامِ طریقت گذرے ہیں، سب کو معلوم ہے، ان کے متعلق یہ واقعہ درج ہے:-

قال رایت النبی صلعم فی المنام فقال لی

حضرت بشر حافی رح کو خواب میں حضرت رسول خدا صلعم

یا بشر تدری بم رفعک اللہ من بین اقرانک قلت لا یا رسول اللہ، قال باتباعک سنتی وخدمتک للصالحین ونصیحتک لاخوانک ومحبتک لاصحابی واہل بیتی، ھوالذی بلغک منازل الابرار، (ص۱۱)

کی دولت زیارت نصیب ہوئی، ارشاد ہوا، اے بشر تجھے معلوم ہے کہ خدا نے تیرے معاصرین میں تیری اس قدر عزت افزائی کس بنا پر فرمائی، عرض کیا کہ نہیں معلوم، ارشاد ہوا کہ میری سنت کی اتباع، صالحین کی خدمتگزاری اپنے بھائیوں کی خیراندیشی، اور میرے اصحاب و اہل بیت کے ساتھ محبت کی بنا پر یہی چیزیں ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے مرتبہ پر فائز کرایا،

حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس مرتبہ تک کیونکر پہونچے، ارشاد ہوا بھوکے پیٹ، اور ننگے بدن کے ذریعہ سے[1]، انھیں بایزید کو، باوجود شورش وسرمستی، اتباع سنت میں اس قدر غلو تھا، کہ خود فرماتے ہیں، کہ ایک بار میں نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ میرے لئے خواہش طعام و خواہش نسار کو مردہ کردے مگر معًا یہ خیال آیا کہ جس شے کو حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے لئے نہیں طلب کیا، میں اسے کیونکر طلب کروں، اور اس دعا سے باز رہا، اس احترام سنت نبوی کا صلہ یہ ملا کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے از خود خواہش نسار کو میرے لئے اس قدر مردہ کردیا ہے کہ میرے نزدیک عورت و دیوار دونوں برابر ہیں،[2]

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ ہر صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے، کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے، اور سکونت کہاں ہے، میں جواب دیتا ہوں کہ میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے[3]، انھیں بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات نہیں پیدا ہوتیں؟ جواب دیا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات تک دن خیریت سے گذر جائے

[1] رسالہ قشیری مطبوعہ مصر ص ۱۴، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۱۶،

لوگوں نے کہا، کہ دن تو خیریت سے گذرتے ہی رہتے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں خیریت اسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو[1]،

شیخ ابوالحسن احمد حواریؒ سے منقول ہے کہ اتباعِ سنت نبوی سے باہر ہو کر کوئی سا بھی عمل کیا جائے، باطل ہو گا[2]،

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اقوالِ ذیل، دورِ حاضرہ میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ و مستحقِ غور ہیں:۔

"ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ گرسنگی ترکِ دنیا، اور مرغوب و خوشگوار اشیاء کے ترک سے حاصل کیا ہے[3]"

"خلق پر تمام راستہ محدود کر دیئے گئے ہیں، بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقشِ قدم پر چلا جائے[4] ہمارا سارا طریقہ کتابِ الٰہی و سنتِ رسول کا پابند ہے[5]"،

"جو شخص حافظ کلامِ الٰہی و عالمِ احادیثِ رسول نہیں، اس کی تقلید دربارۂ طریقت درست نہیں، اس لئے کہ ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن و حدیث ہے[6]"

شیخ داؤد رقیؒ کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے کمزور وہ شخص ہے، جو اپنی شہوات کے ضبط پر نہ قدرت رکھتا ہو، اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو، اور خدا سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کے طاعات کو اختیار کیا جائے، اور اس کے رسول کا اتباع کیا جائے[7]،

اسی طرح جس قدر حکایات و اقوال نقل کئے ہیں، ان کا بیشتر حصہ تعظیمِ شریعت، علمِ قرآن و حدیث، اتباعِ سنت نبوی، ترکِ لذات، قطعِ علائق، ولزومِ مجاہدات و عبادات

[1] رسالہ قشیریہ مطبوعہ مصر صفحہ [illegible]، [2] ایضاً صفحہ [illegible]، [3] ایضاً صفحہ [illegible]، [4] ایضاً [illegible]، [5] ایضاً صفحہ [illegible]، [6] ایضاً [illegible]، [7] ایضاً ص ۲۵

یا بشر تدری لم رفعک اللہ من بین اقرانک قلت لا یا رسول اللہ، قال باتباعک سنتی وخدمتک للصالحین ونصیحتک لاخوانک ومحبتک لاصحابی واهل بیتی، ھو الذی بلغک منازل الابرار، (ص۱۱)

کی دولت زیارت نصیب ہوئی، ارشاد ہوا، اے بشر تجھے معلوم ہے کہ خدا نے تیرے معاصرین میں تیری اس قدر عزت افزائی کس بنا پر فرمائی، عرض کیا کہ نہیں معلوم، ارشاد ہوا کہ میری سنت کی اتباع، صالحین کی خدمتگزاری اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی، اور میرے اصحاب و اہل بیت کے ساتھ محبت کی بنا پر یہی چیزیں ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے مرتبہ پر فائز کرایا،

حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس مرتبہ تک کیونکر پہونچے، ارشاد ہوا بھوکے پیٹ، اور ننگے بدن کے ذریعہ سے[1]، انھیں بایزید کو، باوجود شورش و سرمستی، اتباع سنت میں اس قدر غلو تھا، کہ خود فرماتے ہیں، کہ ایک بار میں نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ میرے لئے خواہش طعام و خواہش نسار کو مردہ کر دے مگر معاً یہ خیال آیا کہ جس شے کو حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے لئے نہیں طلب کیا، میں اسے کیونکر طلب کروں، اور اس دعا سے باز رہا، اس احترام سنت نبوی کا صلہ یہ ملا کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے از خود خواہش نسار کو میرے لئے اس قدر مردہ کر دیا ہے کہ میرے نزدیک عورت و دیوار دونوں برابر ہیں،[2]

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ ہر صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے، کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے، اور سکونت کہاں ہے، میں جواب دیتا ہوں کہ، میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے[3]،، انھیں بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات نہیں پیدا ہوتیں؟ جواب دیا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات تک دن خیریت سے گذر جائے

---

[1] رسالہ قشیری مطبوعہ مصر ص ۱۴، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۱۶،

لوگوں نے کہا، کہ دن تو خیریت سے گذرتے ہی رہتے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں خیریت اسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو[1]،

شیخ ابو الحسن احمد حواریؒ سے منقول ہے کہ اتباعِ سنت نبوی سے باہر ہو کر کوئی سا بھی عمل کیا جائے، باطل ہوگا[2]،

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اقوالِ ذیل، دورِ حاضرہ میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ و مستحقِ غور ہیں:-

"ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ گرسنگی، ترکِ دنیا، اور مرغوب و خوشگوار اشیاء کے ترک سے حاصل کیا ہے[3]"

"خلق پر تمام راستہ محدود کر دیئے گئے ہیں، بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقشِ قدم پر چلا جائے، ہمارا سارا طریقہ کتابِ الٰہی و سنتِ رسول کا پابند ہے[4]"

"جو شخص حافظِ کلام الٰہی و عالمِ احادیث رسول نہیں، اس کی تقلید در بارۂ طریقت درست نہیں، اس لئے کہ ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن و حدیث ہے[5]"

شیخ داود رقیؒ کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے کمزور وہ شخص ہے، جو اپنی شہوات کے ضبط پر نہ قدرت رکھتا ہو، اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو، اور خدا سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کے طاعات کو اختیار کیا جائے، اور اس کے رسول کا اتباع کیا جائے[6]،

اسی طرح جس قدر حکایات و اقوال نقل کئے ہیں، ان کا بیشتر حصہ تعظیمِ شریعت، علمِ قرآن و حدیث، اتباعِ سنت نبوی، ترکِ لذات، قطعِ علائق، و لزومِ مجاہدات و عبادات

[1] رسالہ قشیریہ مطبوعہ مصر صفحہ ۷، [2] ایضاً صفحہ ۱، [3] ایضاً صفحہ ۱، [4] ایضاً ش[5] ایضاً صفحہ ۹، [6] ایضاً ص ۲۵

پر مشتمل ہے"۔

(۲) باب دوم (ص ۱۳ تا ۱۵) کا عنوان "فی تفسیر الفاظ تدور بین ہذہ الطائفۃ و بیان ما یشکل منہا" ہے، اس میں مصطلحاتِ تصوف کی توضیح و تشریح کی ہے، مثلاً وقت، مقام، حال، قبض و بسط، ہیبت و انس، تواجد، وجد و وجود، جمع و فرق، فنا و بقا، غیبت و حضور، صحو و سکر، ذوق و شرب، محو و اثبات، محاضرہ و مکاشفہ، قرب و بعد، شریعت و طریقت و حقیقت، نفس و نفس، علم الیقین، عین الیقین و حق الیقین، وارد و شاہد، روح و سر وغیرہ۔

نمونہ دکھانے کے لئے دو ایک تعریفات کے اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

المحو رفع اوصاف العادة والاثبات اقامة احکام العبادة، فمن نفى عن احواله الخصال الذميمة واتى بدلها بالافعال والاحوال الحميدة فهو صاحب المحو والاثبات (ص ۳۹)	صفات عادی کے دور ہو جانے کا نام محو اور احکام عبادت کے قائم ہو جانے کا نام اثبات ہے پس جس نے اپنے احوال سے صفات بد کو دور کر دیا اور ان کے بجائے افعال و احوال حمیدہ پر قائم ہو گیا، وہ صاحب محو و اثبات ہے۔
التلوین صفة ارباب الاحوال والتمکین صفة اهل الحقائق، فما دام العبد في الطريق فهو صاحب تلوين لانه يرتقي من حال الى حال وينتقل من وصف الى وصف ويخرج من مرحل ويحصل في مربع فاذا وصل تمكن، (ص ۴۱)	تلوین اہل حال کی صفت ہے، اور تمکین اہل حقیقت کی، بندہ جب تک اثنائے راہ میں ہے برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف میں انتقال کرتا رہتا ہے، اور اس لئے صاحب تلوین کہلاتا ہے، جب راہ سے نکل کر منزل وصل تک پہونچ جاتا ہے تو اسے تمکین حاصل ہو جاتی ہے،

الشريعة امر بالتزام العبودية والحقيقة مشاهدة الربوبية، فكل شريعة غير مويدة بالحقيقة فغير مقبول وكل حقيقة غير مقيدة بالشريعة فغير محصول (ص۴۳)	شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا، اور حقیقت نام ہے مشاہدۂ ربوبیت کا، پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید نہیں حاصل، وہ غیر مقبول ہے، اور جو حقیقت مقید شریعت کی پابند نہیں، وہ بے حاصل ہے،

اسکے بعد احوال، مقامات و مسائلِ تصوف سے متعلق جتنے مہمات عنوانات ہو سکتے ہیں، سب کے متعلق الگ الگ ایک باب باندھا ہے، اور اس پر کلام الٰہی، احادیثِ رسول صلعم اور اقوالِ سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے،

ان ابواب کی فہرست عنوانات حسب ذیل ہے، (ص۴۵، ۱۵۱)

باب التوبہ، باب المجاہدہ، باب الخلوۃ والعزلۃ، باب التقویٰ، باب الورع، باب الزہد، باب الصحبت، باب الخوف، باب الرجا، باب الحزن، باب الجوع، ترک الشہوہ، باب الخشوع و التواضع، باب مخالفۃ النفس، باب الحسد، باب الغیبۃ، باب القناعۃ، باب التوکل، باب الشکر، باب الیقین، باب الصبر، باب المراقبہ، باب الرضا، باب العبودیۃ، باب الارادۃ، باب الاستقامۃ، باب الاخلاص، باب الصدق، باب الحیاء، باب الحریۃ، باب الذکر، باب الفتوۃ، باب الفراسۃ، باب الخلق، باب الجود والسخا، باب الغیرۃ، باب الولایۃ، باب الدعا، باب الفقر، باب التصوف، باب الادب، باب احکامھم فی السفر، باب الصحبۃ، باب التوحید، باب احوالھم عند الخروج من الدنیا، باب المعرفۃ باللہ، باب المحبۃ، باب الشوق، باب حفظ قلوب المشایخ، باب فی السماع۔

یہ تمام ابواب باوجود اختصار کے وصفِ جامعیت رکھتے ہیں، ان ابواب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اکثر کا آغاز قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے ہوتا ہے، اور یہ امر گویا دلیل ہے مصنف کے اس دعویٰ کی کہ تصوف کا ماخذ کلام مجید ہی ہے؛ چند عنوانات کی آیات افتتاحی ملاحظہ ہوں،

باب الحزن، قال اللہ عزوجل وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن،

باب التقوی، قال اللہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

باب الیقین، قال اللہ تعالیٰ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من

قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون

باب الصبر، قال اللہ تعالیٰ واصبر وما صبرک الا باللہ

باب الفتوۃ، قال اللہ تعالیٰ انھم فتیۃ امنوا بربھم وزدنھم ھدی

باب الحیاء، قال اللہ تعالیٰ الم یعلم بان اللہ یری،

آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی کو رکھا ہے، اور جن ابواب سے متعلق آیات قرآنی درج نہیں کی ہیں، انھیں احادیث سے شروع کیا ہے، اور یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ کلام خدا کے بعد تصوف کا دوسرا ماخذ کلام رسول ؐ ہے، کتاب کے اکیاون ابواب یہاں ختم ہو جاتے ہیں،

(۵۲) باب اثبات کرامات الاولیاء، (ص ۱۵۸-۱۶۷) یہ باب متعدد فصول میں منقسم ہے، جن میں وقوع کرامت کے امکان، شرائط وغیرہ پر بحث و گفتگو ہے،

(۵۳) باب رؤیا القوم (ص ۱۶۷-۱۸۰) اس میں ماہیت نوم، رویا، صالحہ، پریشان خوابی و مسائل متعلقہ پر تفصیلی بحث ہے،

(۵۴) باب وصیۃ للمریدین، (ص ۱۸۰-۱۸۶) کتاب کا سب سے آخری باب ہے، اور اس لحاظ سے سب سے اہم بھی ہے، کہ بخلاف ابواب سابقہ کے جنھیں مصنف علیہ الرحمہ نے عموماً صرف نقل اقوال و حکایات پر اکتفا کی ہے، اس باب میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مریدین و طالبین کے لئے کچھ نصائح بھی تحریر کی ہیں جنھیں کتب تصوف کا دستور العمل کہنا چاہیئے،

یہ باب متعدد چھوٹی چھوٹی فصلوں پر تقسیم ہے، اور ہر فصل میں کسی اہم حقیقت، یا نصیحت

کو مختصر الفاظ میں قلمبند کر دیا ہے چند نمونہ ملاحظہ ہوں،

(الف) تصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی رہے حرام و مشتبہ چیزوں سے دستکشی کی جائے، ناجائز اوہام و خیالات سے حواس کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر خدائے تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کیجائے،

وبناء هذا الامر وملاكه على حفظ آداب الشريعة وصون اليد عن المد الى الحرام والشبه وحفظ الحواس عن المحظورات وعد الانفاس مع الله تعالى عن الغفلات ص۱۸۵

(ب) مرید کو ترک شہوات کے مجاہدہ میں دوام مشغول رہنا چاہیئے خواہشوں کی پابندی اور پاکیزگی روح کا ساتھ ہو نہیں سکتا، اور مرید کے لئے اس سے بدتر پستی کوئی ہو نہیں سکتی، کہ جس خواہش کو خدا کے لئے چھوڑ چکا ہے، اوس کی جانب پھر رجوع کرے،

ومن شان المريد دوام المجاهدة فی ترك الشهوات فان من وافق شهوته عدم صفوته واقبح الخصال للمريد رجوعه الى شهوة تركها الله تعالى (ایضًا)

(ج) طالب کو اس کی بڑی احتیاط چاہیئے، کہ ایک مرتبہ جس بات کا عہد خداوند تعالیٰ سے کرلے، اسے نہ توڑے، طریقت میں نقض عہد کا وہی درجہ ہے، جو شریعت میں ارتداد عن الدین کا ہے،

ومن شان المريد حفظ عهوده مع الله تعالى فان نقض العهد فی طریق الارادة كالردة عن الدين لاهل الظاهر، (ایضًا)

(د) طالب کو لازم ہے، کہ دامان آرزو کو بہت نہ پھیلائے، فقیر کو صرف حال سے سروکار رکھنا چاہیئے مستقبل کے متعلق خیالی پلاؤ پکاتے رہنا، اس کے لئے موزوں نہیں،

ومن شان المرید قصر الامل فان الفقیر ابن وقتہ فاذا کان لہ تدبیر فی المستقبل وتطلع لغیر ماھو فیہ من الوقت والامل فیما لیستانفہ لا یجی منہ شئی (ص۱۹۶)

(ہ) طالب کو یہ نہ چاہیئے کہ مشایخ کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے، البتہ ان سے حسن ظن رکھنا واجب ہے،

ولا ینبغی للمرید ان یعتقد فی المشائخ العصمۃ بل الواجب ان یذرھم واحوالھم فیحسن بھم الظن ویراعی مع اللہ تعالیٰ حدہ فیما یتوجہ علیہ من الامر والعلم کافیہ فی التفرقۃ بین ماھو محمود وماھو معلول (ص۲۰۰)

(و) اہل دنیا کی صحبت سے طالب کو ہر طرح بچنا چاہیئے، اور اسے اپنے حق میں زہر قاتل سمجھنا چاہیئے، زاہد تقرب الٰہی کے لئے مال کو اپنے پاس سے دور کرتے رہتے ہیں، اور صوفی تحقق الٰہی کی غرض سے خلائق سے اپنے قلب کو خالی کرتے رہتے ہیں،

ومن شان المرید التباعد عن ابناء الدنیا فان صحبتھم سم مجرب لانھم ینتفعون بہ وھو ینتقص بھم قال اللہ تعالیٰ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا وان الزھاد یخرجون المال عن الکیس تقربا الی اللہ تعالیٰ واھل الصفاء یخرجون الخلق والمعارف من القلب تحققا باللہ تعالیٰ (ص۲۰۲)

(ز) اسی سلسلہ میں حضرت مصنفؒ ایک اور "سخت ترین خطرۂ راہ" (اصعب الآفات فی ہذہ الطریقۃ) سے بھی متنبہ کرتے ہیں، جس کی تبلیغ، دور موجودہ میں، ہر صاحب سجادہ کے آستانہ پر، ہر خانقاہ نشین کے دروازے پر ضروری ہے، لیکن اسے اردو میں نقل کرنا شاید اکثروں کی آنکھیں نیچی ہو جانے، اور چہرہ پر ندامت کی سرخی دوڑنے کا باعث ہو، بہتر ہو گا کہ اصل مضمون کا مطالعہ متنِ کتاب میں کیا جائے، یہاں صرف آغاز

کی دو سطریں درج کیجاتی ہیں:۔

ومن اصعب الآفات فی هذه الطریقة صحبة الاحداث ومن ابتلاه الله تعالیٰ بشیٔ من ذالك فباجماع الشیوخ ذلك عبد اهانه الله عز وجل وخذله بل عن نفسه شغله ولو بالف الف کرامة اهله وهب انه بلغ رتبة الشهداء الخ (ص۱۵۴)

باب (۴)

فتوح الغیب

(شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی)

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل و طبقات میں شہرت و مقبولیت سب سے زیادہ کس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے، تو اس کے جواب میں جو نام نامی متفقہ طور پر سب کی زبانوں پر آئیگا، وہ غالباً حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کا ہوگا، دوسرے اکابر کی شہرت عموماً اپنے اپنے حلقوں تک محدود ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ کا اسم گرامی، حدود سلسلہ قادریہ سے متجاوز ہوکر ہر حلقہ، ہر سلسلہ، ہر طبقہ کے عوام و خواص کی زبان پر مختلف اسماء و القاب کے ساتھ جاری ہے، آپ کا زمانہ دورِ قدما کا آخر زمانہ تھا، اس لئے بھی آپ کے ارشادات خصوصیت کے ساتھ مستحقِ توجہ و غور ہیں۔

(۱) مصنف[1]

اسم مبارک عبدالقادرؒ تھا، ابو محمد کنیت تھی، محی الدین لقب تھا، متاخرین نے فرط

---

[1] حضرت کے حالات و مناقب کثیر التعداد تذکروں اور تالیفات میں مندرج ہیں، لیکن اکثر مکررات ہیں، یعنی ایک دوسرے سے ماخوذ و منقول ہیں، میرے پیش نظر اس وقت ماخذ ذیل ہیں، (۱) نفحات الانس، جامی، (۲) سفینۃ الاولیا، دارا شکوہ، (۳) نشر المحاسن الغالیہ فی فضل مشایخ الصوفیہ، امام عبداللہ یافعی، (۴) اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۵) قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادرؒ محمد بن یحییٰ مصری، جس کا اردو ترجمہ "حیات جاودانی" کے نام سے لاہور میں چھپ چکا ہے، (۶) طبقات الکبریٰ، شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ، جس کا ترجمہ "نعمت عظمیٰ" کے نام سے آگرہ میں چھپ چکا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبعِ ثانی

پورے پانچ سال ہونے کو آئے جب تصوفِ اسلام اول بار شایع ہوئی تھی، رب کریم کے الطافِ بے کران کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے جس نے اپنے اس ہیچدان ادبے ما بندہ کی قلمی کوشش کو مقبول بنایا، اور تین ساڑھے تین برس کی مدت میں پہلے ایڈیشن کو ختم کرا دیا، ۱۹۲۸ء کی آخری سہ ماہی مین طبعِ اول کے مسودہ پر نظرِ ثانی ترمیم، و اضافہ کا موقع ملا، اور ۱۹۲۹ء کی آخری سہ ماہی مین اس کی اشاعت کی نوبت آرہی ہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم،

طبعِ اول کو بعض اہلِ دل بزرگون کی پیشگاہ سے خلعتِ قبول حاصل ہوا، اور ان کی دعاؤن کی برکتین رائگان نہین جا سکتین، دوسری طرف نامور مستشرق کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے بھی بہت حوصلہ افزا خیالات کا اظہار فرمایا، اور اپنے گرامی نامہ مین اس ناچیز تالیف کو "طلبۂ تصوف کے لئے ایک نہایت مفید مقدمہ" قرار دیا، وہ کریم وکارساز جس ذرہ کو چاہتا ہے، آفتاب بنا دیتا اور جس بے مایہ کو چاہتا ہے، سرمایہ سے مالامال کر دیتا "داد حق را قابلیت شرط نیست" جس کسی نے کہا ہے، بالکل صحیح کہا ہے،

موجودہ اڈیشن مین مسودہ کی نظرِ ثانی لفظاً لفظاً کی گئی ہے، جابجا عبارتین بدل دی گئی ہین، کہین کہین کسی مشکل لفظ کے بجائے کوئی آسان لفظ رکھ دیا گیا ہے، اکثر مقامات پر [illegible]

اضافہ کئے گئے ہیں، اور ایک فاضل دوست کے حسب مشورہ ایک پورا باب (باب ۶) سرے سے بالکل نیا شامل کر دیا گیا ہے، ان کے ن، اپنے ہفتہ وار سچ سے نقل کر کے بطور ضمیمہ بڑھا دیئے گئے ہیں، ممکن ہے، ان کے مطالعہ سے کسی طالب کو کچھ نفع پہونچ جائے، مقصد ان دونوں مقالات کا بھی وہی ہے جو ان اوراق کا ہے، یعنی صحیح اسلامی تصوف کی توضیح و تشریح، ان سب تغیرات سے قدرۃً حجم میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے، ظاہری ضخامت کے اضافہ کے ساتھ خدا کرے کچھ معنوی خوبیاں بھی پیدا ہو گئی ہوں،

پچھلے سال، اللہ کے فضل و کرم سے، صاحب مثنوی حضرت مولانائے رومیؒ کے ملفوظات طیبات کی بھی، جو اب تک غیر مطبوع اور شاید نامعلوم بھی تھے، بہ اضافۂ مقدمہ و تبصرہ و حواشی، طبع و اشاعت کی توفیق نصیب ہو گئی، جو حضرات فارسی کی استعداد اوسط درجہ کی رکھتے ہیں، اور تصوف کی تشریح، اس مشہور و معروف عارف کامل کی زبان سے نثر میں سننا چاہتے ہیں، وہ شاید فیہ ما فیہ (کہ یہی اس ملفوظ کا نام ہے)، کا مطالعہ اپنے لئے بے لطف و بے نفع نہ پائیں و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین،

دریاباد۔ بارہ بنکی

ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

عبد الماجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل (۱۹۲۴ء)

اسلام خدا کی طرف سے بندون کے حق مین کامل ترین وجامع ترین پیام رحمت ہے، انسان کی ذہنی وعقلی، اخلاقی ومعاشرتی، جسمانی وروحانی، انفرادی واجتماعی تمام ضرورتون کا کفیل، اور ہر شعبۂ حیات مین ترقیون کا ضامن، خدارسی وخداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود تھی، اس پر اس نے خاص طور سے زور دیا، اور اس کے ذرائع ووسائل اس نے اس جامعیت کے ساتھ بیان کئے کہ ان مین کسی قسم کے تغیر وترمیم، تخفیف واضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی،

مسلمانون مین ابتدا سے ایک گروہ ایسا موجود ہے، جس نے تمام مقاصدِ دنیوی سے قطع نظر کر کے، اپنا نصب العین محض یادِ خدا وذکرِ الٰہی کو رکھا، اور صدق وصفا، سلوک واحسان کے مختلف طریقون پر عامل رہا،

شروع شروع یہ گروہ دوسرے نامون سے ملقّب رہا! ایک طویل عرصہ گذرجانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے مسلک کا نام مسلکِ "تصوف" پڑگیا اور یہ گروہ "گروہِ صوفیہ" کہلانے لگا،

اصطلاح "تصوف" کب سے رائج ہوئی؟ اس بحث کا یہان موقع نہین، نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے، یہان کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابرِ قدیم پہلے مسلمان تھے پھر صوفی۔ وہ تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہین لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت، اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو

رکھتے تھے، وہ اپنے اسلام کو اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے، اور تصوف کو محض اس لئے عزیز و محبوب رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر مین اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی،

صفحات آئندہ مین بعض قدیم اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی اصل تصانیف کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا، کہ اتباع کتاب و سنت مین انتہائی سعی کیجائے، اسوۂ رسول و صحابہؓ کو دلیل راہ رکھا جائے، اوامر و نواہی کی تعمیل کیجائے، طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت و تعلق ماسوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے، اور صفائے معاملات و تزکیۂ باطن مین جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے،

حضرت شیخ جیلانیؒ بلکہ ان کے مرید باختصاص، اور بانی سلسلۂ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک کی تصانیف مین یہ اسلامی عنصر قائم اور یہی رنگ غالب ہے، اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربیؒ[1] کے اثر سے نظام تصوف مین فلسفیانہ عنصر کو غلبہ ہونے لگا، وحدت وجود وغیرہ کے مسائل پیدا ہونے لگے، اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی، چنانچہ ملا جامیؒ کی لوایح (جیسا کہ آگے چل کر اسی کے تبصرہ کے ذیل مین ظاہر ہوگا) ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، تاہم نوین صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیون کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہوچکا تھا، ان رسم پرستیون سے کوئی مناسبت نہین رکھتا، جن پر آج اکثر خانقاہون اور درگاہون مین تصوف کا اطلاق ہوتا ہے،

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم، اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے، جس کے صرف بعض اجزا اسلامی کہے جا سکتے ہین، اور وہ

---

[1] شیخ ابن عربی شیخ سہروردی کے ہمعصر تھے،

عقیدت سے متعدد القاب کا اضافہ کر دیا، محبوبِ سبحانی، غوثِ اعظم، قطبِ ربانی، وغیرہ، سلسلۂ نسب جدی امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، اور سلسلۂ مادری امام حسین رضی اللہ عنہ تک، اس لئے نام کے ساتھ سید حسنی و حسینی لکھا جاتا ہے، سایۂ پدری بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا،

ولادت باختلافِ روایات سنہ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں ہوئی، مولد جیلان ہے، جو نواحِ طبرستان میں ایک قصبہ کا نام ہے، اور جس کے دوسرے نام گیل جیل و گیلان بھی ہیں، سالِ وفات بالاتفاق سنہ ۵۶۱ھ ہے، عمر شریف نوّے ۹۰ سال کی ہوئی، ماہ ربیع الثانی بھی سب کو مسلم ہے، تاریخ میں البتہ سخت اختلاف ہے، ۸، ۱۰ اور ۱۱ اور ۱۳ اور ۱۷، مختلف روایات منقول ہیں، داراشکوہ کی تحقیق میں قول اصح ور ربیع الثانی ہے، اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں بغداد تشریف لائے، عمر کا بیشتر حصہ یہیں گذرا، یہیں وصال فرمایا، یہیں مدفون ہوئے،

سلسلۂ تعلیم میں سب سے پہلے قرآن کو حفظ کیا، پھر ادب، فقہ، و حدیث کی باضابطہ تحصیل و تکمیل اپنے زمانہ کے اساتذۂ کاملین سے کی، وسعتِ نظر و تبحر علمی کی شاہد خود آپ کی تصانیف غنیۃ الطالبین و فتوح الغیب ہیں، مسائل فقہیہ میں مذہب حنبلی رکھتے تھے، تدریس، افتاء و وعظ کے مشاغل سالہا سال تک جاری رہے، اور ایک بڑے گروہ نے علوم ظاہری میں تلمذ حاصل کیا، استفتاء دور دور سے آتے رہتے، آپ برجستہ جوابات تحریر کراتے،

طریقۂ باطنی کی تعلیم شیخ حماد، قاضی ابوسعید مبارک مخزومی، اور شیخ ابو یعقوب یوسف ہمدانی سے پائی، پیرِ خرقہ قاضی ابوسعید مخزومی تھے، پیرِ صحبت شیخ حماد تھے، نسبتِ ارادت براہ راست، سرورِ عالم صلعم سے تھی، انوار فیوض کا نزول براہ راست سرکارِ رسالت صلعم سے ہوتا تھا، تذکروں میں کرامت و خرقِ عادت کے واقعات اس کثرت سے منقول ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کے نہ ہوں، امام یافعی کہتے ہیں، کہ شیخ موصوف کی کرامات کی تعداد حد شمار

سے افزوں ہے، اکثر پایۂ تواتر کو پہونچی، یا تقریباً پہونچی ہوئی ہیں، دارا شکوہ کے الفاظ میں۔

«اگر آنچہ از آنحضرت در ایام حیات بہ ظہور رسیدہ و آنچہ الحال نیز مشاہدہ نمودہ می شود جمع کنم، کتاب کلانے می شد»

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ایک معاصر بزرگ شیخ علی بن ہیتیؒ کی شہادت نقل کرتے ہیں:-

«ندیدم ہیچ یکے از اہلِ زمان خود را اکثر الکرامات از شیخ عبدالقادرؒ، ہر وقت ہر کہ از ما خواہد کہ از وے کرامتے مشاہدہ کند مکیند، و خوارق ظاہر گردد، گاہے از وے، گاہے در وے، و گاہے بوے»

والدۂ ماجدہ کا بیان ہے کہ تولد ہوتے ہی احکامِ شریعت کا یہ احترام تھا کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے، ایک مرتبہ ۲۹ شعبان کو ابر کے باعث چاند نہ دکھائی دیا، دوسرے روز اس ولی مادر زاد نے دودھ نہیں پیا، بالآخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس روز یکم رمضان تھی،

بچپن کا زمانہ تھا، آبادی کے باہر کھیل رہے تھے، ایک گائے کی دم پکڑ کر کھینچی، اس نے پلٹ کر یہ کلام کیا کہ «اے عبدالقادر! اس غرض سے دنیا میں نہیں بھیجے گئے ہو» فوراً اسے چھوڑ دیا، دل پر ہیبت طاری ہوئی، مکان آکر بالا خانہ سے دیکھا تو میدانِ عرفات میں حاجیوں کی قطاریں نظر آئیں، والدہ ماجدہ سے آکر عرض کی کہ راہِ خدا طے کرنے کی اجازت دیجئے، بغداد جاکر تحصیل علم کروں، انھوں نے سبب پوچھا کل واقعہ ان سے بیان کیا، اس نیک خاتون پر رقت طاری ہوئی، اٹھ کر گئیں، ایک تھیلی لاکر فرزند نامدار کے ہاتھ میں دیدی، اور فرمایا کہ۔

«بیٹا تمھارے والد جو مال چھوڑ گئے تھے، چالیس دینار تمھارے بھائی

کے لئے محفوظ ہے، یہ چالیس اشرفیاں ہمارے حوالہ میری نصیحت و وصیت جو کچھ سمجھو اتنی ہے کہ راستی کو کسی حالت میں کبھی نہ چھوڑنا جاؤ تمھیں خدا کو سونپا، اب قیامت کے دن دیکھنے کو ملو گے"

راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا، ہر شخص مال چھپانے اور جان بچانے کی فکر میں ہوا مگر اس سعادت مند فرزند اور خدا کے برگزیدہ بندہ نے صاف صاف اپنے پاس کی مالیت کو بیان کر دیا، قزاق راستبازی کی اس معجز نما مثال سے حیران ہو گئے، بالآخر اپنے پیشہ سے تائب ہو کر داخل بیعت ہوئے،

منزل صدق میں اسی قیام و استقامت کا یہ نتیجہ تھا، کہ آگے چل کر وہ مرتبہ اعظم حاصل ہوا جو مقام صدیقیت کے لئے مخصوص ہے، اور جو رہروؤں کے لئے تو کیا، اچھے اچھے رہبروں اور بڑے بڑے رہنماؤں تک کے لئے باعث رشک ہے، فرماتے تھے کہ جب تک پہننے کا حکم نہیں ملتا ہے، نہیں پہنتا ہوں، جب تک کھانے کا حکم نہیں ملتا ہے، نہیں کھاتا ہوں، جب تک بولنے کا حکم نہیں ملتا ہے، نہیں بولتا ہوں،

تصانیف متعدد چھوڑیں جنہیں مندرجہ ذیل یا خود موجود ہیں، یا ان کے نام دوسری کتابوں میں محفوظ ہیں،

(۱) غنیۃ الطالبین، فقہ کی مشہور کتاب ہے، ہندوستان و مصر میں چھپ چکی ہے،

(۲) فتوح الغیب۔ فن سلوک پر،

(۳) الفتح الربانی معروف بہ شش مجالس، مجموعۂ مواعظ،

(۴) جلاء الخاطر،

(۵) یواقیت والحکم

(۶) الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القدسیہ

} یہ سب نام پروفیسر مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل عبد القادر محی الدین جیلانی کے تحت میں درج

(۷) حزب البشایر الخیرات } کئے ہیں،
المواہب الرحمانیہ والفتوح الربانیہ }

یہ تمام تصانیف، بہ قول مارگولیتھ کے مصنف کے فضل و کمال التفقہ فی الدین، وتبحر شریعت پر شاہد عادل ہیں،

بادشاہوں سے ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص تحفۃً قبول فرما لیتے، اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم کردیتے، ایک روز خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کیے، حسب معمول انکار فرمایا، اُدھر سے اصرار شدید ہوا، حضرت نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور ایک بائیں ہاتھ میں اٹھا کر دونوں کو رگڑا، تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا، خلیفہ سے ارشاد ہوا کہ اللہ سے شرم نہیں آتی، کہ انسان کا خون کھاتے ہو، اور اسے جمع کرکے میرے پاس لاتے ہو، خلیفہ پر اتنا اثر پڑا کہ غشی کی نوبت آگئی،

عادت مبارک خلیفۂ وقت یا کسی صاحب ثروت کے پاس جانے کی نہ تھی، اور نہ کبھی امرا کی تعظیم فرماتے، جب خلیفہ کی آمد سنتے، اٹھ کر مکان کے اندر چلے جاتے، اور پھر باہر نکل کر آتے، تاکہ خلیفہ کی تعظیم کے لئے اٹھنا نہ پڑے، جب خلیفہ کے نام نامہ مبارک کی ضرورت پیش آتی، تو یوں تحریر فرمایا جاتا کہ عبد القادر کا تجھے ارشاد ہے، اور اس کا ارشاد تیرے اوپر نافذ ہے، خلیفہ ان تحریروں کو سر اور آنکھوں پر جگہ دیتا،

صحیفۂ زندگی کی ایک ایک سطر احکام شرعیہ کے مطابق تھی، مکتوبات و مواعظ کا ایک ایک لفظ آیات کلام مجید سے مستند و مستنبط ہوتا تھا، تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی شریعت واتباع سنت پر تھا، وصال سے ذرا پہلے اکابر مشائخ عصر کا مجمع تھا، بڑے صاحبزادے شیخ سیف الدین عبد الوہاب نے عرض کی کہ حضرت کچھ وصیت فرمائیے، جواب میں ارشاد ہوا۔

علیك بتقوی الله وطاعتہ ولا تخف احداً ولا ترج و وکل الحوائج الی الله واطلبها منه ولا تثق باحدٍ سوی الله خذ التوحید التوحید اجماع الکل۔

خدا کے تقویٰ اور طاعت کو اپنے اوپر لازم رکھو، بجز خدا کے کسی سے خوف یا امید نہ رکھو، تمام حاجات کو خدا ہی کو سونپ دو، اور اسی سے طلب کرتے رہو، بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو، لازم رکھو اپنے اوپر توحید کو، توحید کو، توحید کو کہ اسی پر سب کا اجماع ہے،

کثرتِ عبادات و ریاضات کا اندازہ اِن روایات سے کیا جاسکتا ہے، کہ چالیس سال تک عشا کے وضو سے نمازِ فجر ادا کی، پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشا پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے، پچیس سال تک صحراہیں اس تنہائی کے ساتھ بسر کی، کہ انسان کی شکل بھی نہیں دیکھی،

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں، کہ ایکبار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا، جو دیکھتے دیکھتے سارے افق پر چھا گیا، اور اس میں سے آواز آئی کہ اے عبد القادر! میں تمھارا پروردگار ہوں، میں نے تمھارے لئے حرام چیزوں کو حلال کردیا، میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھکر کہا کہ "دور ہو ملعون"، بس وہ نور تاریکی میں گیا، اور اس میں سے آواز آئی کہ "عبد القادر! تم اپنے علم کی قوت سے مجھ سے بچ گئے، ورنہ میں تمھارے مثل ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں" میں نے کہا، کہ ملعون تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، کہتا ہے، کہ تم اپنے علم کی قوت سے بچ گئے، حالانکہ مجھے بچانے والی میری کوئی قوت نہیں محض الله کا فضل وکرم ہے،

(۲) تصنیف

آج سے تین ساڑھے تین سو سال اوپر فتوح الغیب دنیا کے لئے پردۂ غیب میں تھی، شیخ سیف الدین عبد الحق محدث دہلویؒ (المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ) جب فریضۂ حج ادا کرنے گئے، تو مکۂ معظمہ

میں شیخ عبد الوہاب متقی قادری کے ہاں ایک نسخہ اس کتاب کا ان کی نظر سے گذرا، ہندوستان واپس آئے تو ایک دوسرا نسخہ یہاں بھی نظر آیا۔ اس کا انھوں نے فارسی میں ترجمہ کیا، اور مفتاح الفتوح کے نام سے شرح لکھی۔ فتوح الغیب کا موجودہ مطبوعہ نسخہ شیخ عبد الحق ہی کی تہذیب و ترتیب دیئے ہوئے نسخہ کی نقل ہے جو اُن کی شرح کے ساتھ لاہور و لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔

کتاب حمد و نعت کے علاوہ ۷۸ مختصر مختصر مقالات میں تقسیم ہے، آخر میں چند اوراق مصنف علیہ الرحمہ کے حالات مرض الموت و وفات وغیرہ سے متعلق مرتب نے اضافہ کئے ہیں۔

(۱) مقالہ اول تعمیل اوامر و اجتناب نواہی و رضا بالقضا پر ہے (صفحہ ۱) فرماتے ہیں کہ:-

لابد لکل مومن فی سائر احواله من ثلثة اشیاء امر یمتثله ونهی یجتنبه وقدر یرضی به فاقل حالة لا یخلو المومن من فیها من احد هذه الاشیاء الثلثة الخ۔

ہر مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ امر الٰہی کی تعمیل کرتا رہے، دوسرے یہ کہ منہیات سے بچتا رہے، تیسرے یہ کہ قضا و قدر الٰہی پر راضی رہے۔ پس مومن کے لئے کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ کسی حالت میں وہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو۔

(۲) مقالہ دوم: اتباع سنت و ترک بدعت (صفحہ ۱) پر ہے اس کو یوں آغاز فرماتے ہیں:-

اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمرقوا و وحدوا ولا تشرکوا وتقدسوا ولا تشرکوا ... اسماء

پیروی سنت کرتے رہو اور بدعت نہ نکالو، اطاعت کرو اور حدود اطاعت سے باہر نہ

ویحکم مایرید وتزھق الحق ولا تتھمو او صدقوا ولا تشکوا واصبروا ولا تجزعوا واجتمعوا علی الطاعۃ ولا تفرقوا،

آؤ، توحید خداوندی کو مانو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، کہ وہی جو کچھ چاہتا ہے اپنی مشیت وارادہ سے کرتا ہے، خداوند تعالیٰ کو ہر نقص وعیب سے پاک سمجھو اور اس پر تہمت نہ لگاؤ، اس پر اعتماد رکھو، اور شک وگمان میں نہ پڑو، صبر سے کام لیتے رہو، اور بے صبری نہ کرو، طاعت حق پر جمع ہو، اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو،

اس مقالہ میں یہ تعلیم بھی ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت کے دور کرنے میں تاخیر نہ کرو، اور شب وروز استغفار تقصیرات ورجوع الی اللہ کرنے کو اپنے اوپر بار نہ سمجھو،

(۳) مقالۂ سوم، اس عنوان سے متعلق ہے کہ ابتلا ومصائب سے بندہ کے لئے کیا مقصود ہوتا ہے، (ص۱۸) اس میں نہایت خوبی وصحت کے ساتھ سالک کی نفسیت کی تشریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان پر جب کسی قسم کا کوئی درد دکھ وارد ہوتا ہے تو سب سے پیشتر تو وہ اپنی ذاتی قوت وتدبیر سے اس کے دفع کی کوشش کرتا ہے، جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو خلق کی جانب رجوع کرتا ہے، مثلاً سلاطین، امرا، اہل ثروت وغیرہ، یا اگر بیمار ہے تو اطبا کی جانب جب اس میں بھی ناکام ہوچکتا ہے، تو پروردگار عالم کی درگاہ میں دعا وتضرع کے ذریعہ سے حاضر ہوتا ہے، انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے، کہ جب تک وہ خود دفع مضرت پر قادر ہے، خلق سے بے نیاز رہتا ہے، جب اپنے تئیں مجبور پاتا ہے، تو خلق کے سامنے دست اعانت دراز کرتا ہے، جب ادھر سے بھی سہارا نہیں رہتا تو خالق کے آستانہ پر جبین نیاز رگڑتا ہے اور نہایت خضوع وخشوع، الحاح وزاری کے ساتھ کبھی امیدوارانہ اور کبھی مایوسانہ دعا

میں مشغول ہوجاتا ہے، جب خدا اس کو اس میں بھی ناکام رکھتا ہے، اور اس کی دعا نہیں قبول کرتا تو رفتہ رفتہ اس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ہوجاتے ہیں، اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ہوجاتا ہے، اس وقت بندہ تمام تعلقات سے آزاد، روح مجرد رہجاتا ہے، اور اوصاف بشریت ہوا و ہوس وخواہش و آرزو وغیرہ اس سے رخصت ہوجاتے ہیں، اس وقت اتنی صفائی باطن نورانیتِ قلب حاصل ہوجاتی ہے، کہ اسے ہر فعل کی فاعل ذاتِ خالق ہی نظر آتی ہے، اور یہ یقین شہودی حاصل ہوجاتا ہے کہ تمام موجودات میں فاعل حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ہے، اور ہر راحت وسکون، ہر خیر وشر، ہر سود وزیاں، ہر عطا و بخل، ہر کشائش و بستگی، ہر موت و حیات، ہر عزت وذلت، ہر توانگری وافلاس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قادر مطلق ہی کی قدرت کا ایک ظہور ہے،

تاآنکہ یہ سلسلہ معرفت کامل پر جاکر منتہی ہوتا ہے، یعنی بندہ کو ہر شئے کا مرجع و مبدا ذات خداوندہی محسوس ہونے لگتی ہے، اسرارِ قدرت اس پر روشن ہونے لگتے ہیں، وہ خالق ہی کے کان سے سنتا ہے، اسی کی حمد وثنا، شکر ودعا میں لگ جاتا ہے،

مقالاتِ ذیل کی نوعیتِ مباحث کا اندازہ جنہیں سے ہر ایک بجائے خود نہایت اہم دلچسپ وبصیرت افزا ہے، ان کے عنوانات سے ہوگا،

(۱۳) المقالة الثالثة عشر فی التسلیم علی قضاء اللہ وقدرہ (ص ۸۱-۸۹)

(۱۶) المقالة السادسة عشر فی المنع من الاعتماد علی الخلق والاسباب (ص ۹۴-۱۰۰)

(۱۷) المقالة السابعة عشر فی معنی الوصول الی اللہ سبحانہ (ص ۱۰۰-۱۰۸)

(۱۸) المقالة الثامنة عشر فی بیان معنی الرضا (ص ۱۰۸-۱۱۵)

(۲۳) المقالة الثالثة والعشرون فی بیان القناعة (ص ۱۵۸-۱۶۹)

(۲۷) المقالة السابعة والعشرون فی بیان الخیر والشر (ص ۱۵۵-۱۶۹)

(۳۸) المقالة الثامنة والثلثون فی بیان الصدق والاخلاص فی سبحانہ تعالیٰ، (ص ۲۲۶-۲۲۸)

(۴۸) المقالة الثامنة والاربعون فی حماقة من اشتغل بالنوافل وعلیہ فرائض (ص ۲۷۴-۲۷۵)

(۵۰) المقالة الخمسون فی الزہد، (ص ۲۷۹-۲۸۳)

(۶۱) المقالة الحادی والستون فی بیان الورع والتقویٰ (ص ۳۴۱-۳۴۴)

(۶۳) المقالة الثلثة والستون فی بیان الاخلاص والریا، (ص ۳۴۵-۳۴۹)

(۷۱) المقالة الحادی والسبعون فی الصبر علی البلاء (ص ۳۷۹-۳۸۴)

(۷۸) المقالة الثامنة والسبعون فی بیان الخصال العشرة لارباب المحاسبة والمجاہدہ (ص ۴۰۶-۴۱۱)

ذیل میں مختلف ابواب سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں،

باب (۷۵) میں اپنے صاحبزادے کو وصایا ارشاد فرماتے ہیں گویا وہ طریقہ تعلیم کرتے ہیں جس پر چلنے سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے آج کل کے مشایخ کو یہ دیکھکر حیرت

ہو گی کہ اس وصیت نامہ میں ان کے مروجہ اشغال و مراسم کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ تمامتر پابندیٔ شریعت، ضبطِ نفس، و مجاہدہ کی تعلیم ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

اوصیك بتقوی الله فطاعته لزوم ظاهر الشرع وسلامة الصدر سخاء النفس و بشاشة الوجه وبذل الندی وکف الاذی وحمل الاذی والفقر وحفظ حرمات المشائخ وحسن العشرة مع الاخوان والنصیحة لله صاغر وترك الخصومة فی الارفاق وملازمة الایثار و مجانبة الادخار:۔	میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا تقویٰ و طاعت اختیار کرو، اور شریعتِ ظاہری کی پابندی لازمی رکھو، اور سینہ کو (خواہشات و خباثتِ نفس سے) محفوظ رکھو، اور نفس میں جوانمردی رکھو، اور کشادہ رو رہو، اور جو شئے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو، اور ایذا دہی سے باز رہو، اور آزارِ خلق و آدابِ درویشی کا تحمل کرتے رہو، اور حرمتِ مشائخ نگاہ رکھو، اور برابر والوں سے حسنِ معاشرت رکھو اور خردوں کو نصیحت کرتے رہو، اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو، اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کر لو اور ذخیرۂ مال فراہم کرنے سے بچو،
ص ۲۹۵-۲۹۶	

فقر کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرما دی ہے،

وحقیقة الفقران لا تفتقرالی من هو مثلك (ص ۲۹۷)	فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی کسی ہستی کا محتاج نہ رہ (یعنی صرف خدا سے واسطہ رہے، و مخلوقات سے مطلق نہ رہے)

تصوف کی تحصیل کس طریقہ سے انسان کے لئے ممکن ہے؟ قیل و قال بحث و مباحثہ

والتصوف ما اخذ من القیل والقال و	کے ذریعہ سے نہیں بلکہ گرسنگی سے اور دنیا کی خوشگوار

ولکن اخذ عن الجوع وقطع المعروفات والمستحسنات
ومحبوب اشیاء کے ترک سے ،

تصوف کی بنیاد و کار ان آٹھ خصلتوں پر ہے جنمیں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی اولوالعزم ہوا ہے، ان کے آثار قدم کی پیروی طالب تصوف کے لئے ناگزیر ہے،

التصوف مبنیٌ علی ثمان خصال السخا
لابراہیم والرضاء لاسحاق والصبر
لایوب والاشارۃ لزکریا والغربۃ لیحیی
ولبس الصوف لموسی والسیاحۃ لعیسی

[illegible]

تصوف مبنی ہے آٹھ فصلوں پر، سخاوت ابراہیم پر، رضائے اسحٰق پر، صبر ایوب پر، مناجات زکریا پر، غربت یحییٰ پر، خرقہ پوشی موسیٰ پر، سیاحت (یا تجرد) عیسیٰ پر، اور فقر محمد صلعم پر،

ایک پیر مرد نے خواب میں آپ سے دریافت کیا کہ خدا سے بندہ کو قریب کرنے والی کیا شے ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو شے تقرب باری پیدا کرتی ہے، اس کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے، ابتدا اس کی ورع ہے اور انتہا اس کی رضا و تسلیم و توکل ہے (ص ۲۰۳)

آج بہت سے اہل غفلت کا یہ حال ہے، کہ پابندی فرائض و تعمیل نصوص قطعیہ کی جانب سے غافل و سست ہیں اور ادائے نوافل و اوراد و وظائف میں مستعد اور خاص اہتمام رکھنے والے، اس طبقہ کی بابت ارشاد ہوتا ہے :-

ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً بالفرائض
فاذا فرغ منہا اشتغل بالسنن ثم یشتغل
بالنوافل والفضائل فمن لم یفرغ من الفرائض
فالاشتغال بالسنن حمق ورعونۃ فان
اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض
لم یقبل منہ واہین (ص ۲۰۴)

مومن کو چاہئے کہ سب سے پہلے فرائض پر متوجہ ہو جب ادا کر چکے تب سنتوں کو اختیار کرے، اس کے بعد نوافل پر متوجہ ہو، لیکن جو شخص اپنے فرائض سے فارغ نہیں ہو چکا ہو اس کے لئے سنتوں میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی ہے اس لئے کہ ادائے فرائض سے قبل سنن و نوافل غیر مقبول رہینگے، اور جو شخص ایسا کریگا خوار ہوگا،

فرائض کو چھوڑ کر سنن و نوافل میں مشغول ہونے والے کی مثال اس شخص کی

فمثله کمثل رجل یدعوه الملك الی خدمته فلا یأتی الیه ویقف بخدمة الامیر الذی هو غلام الملك وخادمه وتحت یدیه (ص۲۷۵)

سی ہے کہ اسے بادشاہ اپنی خدمت کے لئے بلارہا ہو، اور وہ بادشاہ کے حضور میں تو نہ جائے اور ایک امیر کی خدمت میں لگا رہے، جو خود اس بادشاہ کا زیر دست، خادم، اور غلام ہے،

نمازی جب تک فرائض نہ ادا کرے، اس کے نوافل غیر مقبول رہتے ہیں، (ص۲۷۶) اسی طرح اس نمازی کے نوافل بھی جو سنتوں کو چھوڑ کر نوافل ادا کر رہا ہے، (ایضاً)

شرک محض اصنام پرستی کا نام نہیں، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی کرنا، یا خدا کے علاوہ غیر خدا کی طلب کرنا، یہ سب شرک ہے، (ص۱۳۲-۱۳۱)

اس اجمالی مطالعہ کے بعد ارشاد ہو کہ آج "قادری خانقاہوں" اور درگاہوں میں جن رسوم کو فقر و تصوف کہہ کر پکارا جا رہا ہے، انھیں حضرت شیخ جیلانیؒ کے تعلیم کیے ہوئے فقر و تصوف سے دور کی بھی کوئی مناسبت ہے؟

باب (۵)

عوارف المعارف

(شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حضرات صوفیہ میں نہ صرف ایک مسلم امام ہوئے ہیں[1] بلکہ ایک مستقل سلسلہ (سہروردیہ) کے بانی بھی تسلیم کئے جاتے ہیں[2] اور اسی نسبت سے ان کی کتاب عوارف المعارف کو مرتبہ استناد و قبول عام بھی حاصل ہے، اصل عربی میں کئی بار چھپ چکی ہے، فارسی میں ایک سے زائد ترجمے ہو چکے ہیں، اردو میں بھی ترجمہ نکل چکا ہے، متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ یہی کتاب ہے،

(۱) مصنف

پورا نام ابو حفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردی ہے، عام لقب شیخ الشیوخ تھا معاصر صوفیہ دور دور سے دریافت مسائل میں ان سے رجوع کرتے، قیام بغداد میں رہتا تھا ولادت ماہ رجب ۵۳۹ ہجری میں ہوئی[3] عمر طبعی پائی، انتقال محرم ۶۳۲ ہجری میں کیا، مزار بغداد میں ہے، مولد سہرورد تھا، جو عراق عجم کا ایک قصبہ ہے،

[1] نفحات الانس صفحہ ۴۲۵ (مطبوعہ کلکتہ) [2] ایضاً و سفینۃ الاولیاء [3] سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۱۳ (مطبوعہ لکھنؤ)

والد ماجد کا نام شیخ محمد قریشی تھا[1] سلسلہ نسب بارہ پشتوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک منتہی ہوتا ہے[2]۔

ابتداءً اپنے حقیقی چچا شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کے مرید ہوئے، اور پرورش بھی انھیں کے سایۂ عاطفت میں پائی، لیکن طبیعت کا رجحان علم کلام کی جانب تھا، متعدد کتابیں اس فن میں ازبر کر لی تھیں، چچا اکثر اس فن سے مانع ہوا کرتے تھے، لیکن اثر نہ ہوتا تھا، ایک روز حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو بھی ہمراہ لیا اور ان سے فرمایا کہ "دیکھو ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں جن کا قلب خدا تعالیٰ کی خبر دیتا ہے، ان کے دیدار کی برکات حاصل کرنا، حضرت شیخ جیلانیؒ کی خدمت مبارک میں پہونچ کر انھوں نے عرض کی کہ "یا حضرت! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں مشغول رہا کرتا ہے، ہر چند منع کرتا ہوں، باز نہیں آتا، حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ "عمر کون کون کتابیں پڑھی ہیں"؟ انھوں نے نام گنائے حضرت نے سنکر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا، ان کا بیان ہے کہ :-

"ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ بجز ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہگیا، خدا نے معاً تمام مسائل کلامیہ میرے دل سے محو کر دیئے، اور قلب کو علم لدنی سے مملو کر دیا[3]"

علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، ابن نقی کے الفاظ ہیں، کان فقیہا فاضلا صوفیاً ورعاً زاهداً عارفاً شیخ وقتہ فی علم الحقیقۃ والیہ المنتہی فی تربیۃ المریدین (مدینۃ العلوم)

شیخ کے مریدین بہ کثرت تھے، اور مشہور فاضلین و کاملین، جو بجائے خود صاحبان سلسلہ ہوئے ہیں، مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی بزغش وغیرہم[4]،

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۲۱، [2] ایضاً ص ۳۱، [3] سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۳ [4] ایضاً،

تصانیف کثیر چھوڑیں، چند کے نام معلوم ہیں، رشف النصائح، اعلام الہدیٰ فی عقیدۃ ارباب
التقیٰ، بہجت الاسرار (در مناقب غوث الاعظمؓ) سب سے زیادہ مشہور عوارف المعارف ہے جسکا
سال تصنیف سنہ ۵۶۰ھ ہے،

(۲) تصنیف

کل کتاب دو حصوں میں ہے، اور ۶۳ بابوں پر شامل ہے، ۳۲ باب حصہ اول میں ہیں
اور ۳۱ حصۂ دوم میں،

خطبۂ کتاب میں حمد و نعت کے بعد ہی سبب تالیف کتاب یہ بیان کرتے ہیں، کہ گروہ
صوفیہ میں اختلاط پیدا ہو چلا ہے، ان کے اعمال فاسد ہوتے جاتے ہیں، ان کے نقال بہت سے
پیدا ہو گئے ہیں، اتباع کتاب و سنت کا سر رشتہ ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے، اور خلقت
حقیقت تصوف کی جانب سے بدگمان ہو چلی ہے،،

اس کے بعد ابواب کتاب کی فہرست درج کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے مصنفین کے لئے
ایک نادر شے ہے، اس کے خاتمہ پر جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد، کہ
"ہمارے اس علم طریقت کی بساط سالہا سال ہوئے، کہ لپیٹ کر رکھدی گئی، اور ہم
اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں، بصد حسرت و تاسف فرماتے ہیں، کہ:-

بدا هذا القول منه فی وقته مع قرب العهد بعلماء السلف وصالحی التابعین فکیف بنا مع بعد العهد وقلة العلماء الزاهدین والعارفین بحقائق علوم الدین

یہ اس وقت ارشاد ہوا تھا، در آں حالیکہ وہ زمانہ علمائے سلف و صلحائے تابعین سے قریب تھا، پس ہمارا کیا حال بیان ہو جبکہ اس قدر زمانہ اور گذر چکا ہے، اور علمائے زاہدین اور عارفین حقائق دین کم ہو گئے ہیں،

۱ نفحات و خزینہ،

انحطاطِ تصوف کی یہ صورت ۵۶۵ھ میں تھی، فرزندانِ حال کو اس پر قیاس کرنا چاہئے کہ تقریباً آٹھ سو برس اور گذرنے کے بعد آج یہ پستی کس حد تک پہونچ گئی ہوگی، ؟

مطالبِ کتاب کا ایک سرسری و اجمالی اندازہ عنوانات و ابواب سے ہوگا،

(۴۸) عبادات شب کی تقسیم میں، (ص ۴۱-۴۷)

(۴۹) فی استقبال النہار والادب فیہ والعمل (ص ۴۷-۵۲)

(۵۰) عبادات روزہ کی تقسیم میں، (ص ۵۲-۵۹)

(۵۱) فرائض وآداب مرید میں، (ص ۵۹-۶۵)

(۵۲) فرائض وآداب شیخ میں (ص ۶۵-۶۹)

(۵۳) تا (۵۵) ماہیت صحبت، اور اس کے حقوق وآداب میں (ص ۶۹-۷۹)

(۵۶) معرفت نفس ومکاشفہ صوفیہ کے بیان میں (ص ۷۹-۸۸)

(۵۷) فی معرفۃ الخواطر وتفصیلہا، (ص ۸۸-۹۲)

(۵۸) حال ومقام کی تشریح، اور ان کا فرق، (ص ۹۲-۹۵)

(۵۹) مقامات کا اجمالی بیان، (ص ۹۵-۱۰۱)

(۶۰) مقامات کی تفصیل، اور اس ضمن میں توبہ، ورع، صبر، فقر، شکر، خوف، رجا، توکل ورضا کا بیان، (ص ۱۰۱-۱۱۱)

(۶۱) احوال کی تشریح، (ص ۱۱۱-۱۲۱)

(۶۲) بعض احوال مصطلحہ صوفیہ کی تفصیل، مثلاً جمع وتفرقہ، تجلی واستتار، مسامرہ، غیبت وشہود، وغیرہ کا بیان، (ص ۱۲۱-۱۲۶)

(۶۳) فی ذکر شئی من البدایات والنہایات وصحتہا، (ص ۱۲۶-۱۳۳)

مثل دیگر قدماء صوفیہ کے شیخ سہروردیؒ بھی کتاب اللہ وکتاب رسولؐ پر پورا پورا عبور رکھتے تھے، علوم قرآن کے عالم تبحر اور فن حدیث کے پورے ماہر تھے، جو کچھ لکھتے ہیں اس کی ایک ایک سطر پر کتاب اللہ واقوال رسولؐ خدا سے استناد کرتے جاتے ہیں، یہاں تک

کہ جو ابواب اصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، تقریباً ان سب کا آغاز بجائے زید، عمر، بکر کے اقوال کے ارشادِ خدا یا ارشادِ رسول ہی سے کرتے ہیں، چند مثالیں قابلِ ملاحظہ ہیں،

باب (۴۸) تقسیم قیام اللیل پر ہے، اس کا عنوان اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے، والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا،

باب (۴۹) شرح حال صوفیہ پر ہے، اس کا آغاز اس ارشاد نبوی سے ہوتا ہے، قال انس بن مالك قال لی رسول اللہ صلعم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلك من سنتی ومن احیا سنتی فقد احیانی و من احیانی کان معی فی الجنۃ،

باب (۵۴) ادائے حقوق صحبت و اخوت پر ہے، آیاتِ ذیل اس عنوان کو زینت دے رہی ہیں، وتعاونوا علی البر والتقوی، وتواصوا بالحق وتواصوا بالمرحمۃ، اشدآء علی الکفار رحماء بینھم،

باب (۶۰) مقاماتِ مشایخ پر ہے، اس میں عنوانات ورع، خوف، رجا کا آغاز علی الترتیب احادیثِ ذیل سے کرتے ہیں، ملاک دینکم الورع، راس الحکمۃ مخافۃ اللہ قال رسول اللہ صلعم یقول اللہ عز وجل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان ثم یقول وعزتی وجلالی لا اجعل من امن بی فی ساعۃ من لیل او نھار کمن لا یومن بی

باب (۳۳) مقامات و آدابِ طہارت پر ہے، اس باب کا سرنامہ ذیل کی آیہ شریفہ کو بناتے ہیں، فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین،

آج ایک عام خیال یہ پھیلا ہے، کہ تصوف، اسلام سے الگ، ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے، اور خیر ہندوستان کے ان پڑھ عوام تو ایک حد تک معذور ہیں، یورپ کے

فضلا مستشرقین سب کچھ پڑھ چکنے اور جان لینے کے بعد بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں، انکا بیان ہے کہ تصوف، ہندوستان، یونان، مصر، ایران کے روحانی اثرات کے مجموعہ کا نام ہے جسمیں بعد کو اسلامیت کے عناصر بھی مخلوط کر دیئے گئے، یہ خیال تمامتر غلط ہے، جیسا کہ اس رسالہ کے دیگر ابواب میں کتاب اللمع، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، فتوح الغیب وغیرہ کے اقتباسات سے دکھایا جا چکا ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تصوف اپنی اصلی، خالص، سادہ صورت میں اسلام کی کامل ترین صورت کے مرادف ہے، بیرونی عناصر کا امتزاج صرف اس وقت شروع ہوا جب تصوف دورِ انحطاط میں آچکا تھا،

شیخ سہروردیؒ بھی اس باب میں دیگر اکابر طریقت کے بالکل ہمزبان ہیں، ان کے نزدیک تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے، اور جو شخص اس سرچشمۂ ہدایت و رشد سے جتنا زیادہ سیراب ہوا، اسی مناسبت سے صفائے قلب و تزکیۂ نفس میں بھی اس نے زیادہ ممتاز مرتبہ حاصل کیا[۱]، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض و علم الکلام، معانی و بیان، لغت و نحو، غرض وہ تمام علوم جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں، سب کے سب ضد تصوف نہیں، بلکہ مقدمات تصوف و مبادی طریقت ہیں[۲]، خلقت کی اصل ذات رسالت مآب صلعم ہے، ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے، اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم و ہدایت لیکر آئی، پس جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے لحاظ سے جتنا زیادہ اس جوہر گرامی سے قرب و مناسبت رکھتا ہے، اسی قدر وہ علم و ہدایت سے زیادہ بہرہ ور ہوتا، اور دوسروں کے لئے باعث ہدایت بنتا ہے، یہی گروہ گروہِ صوفیہ اور یہ اصطلاح قرآن گروہِ مقربین کہلاتا ہے[۳]، کلام الٰہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

---

[۱] عوارف صفحہ ۲ (مطبوعہ مصر) [۲] ایضاً ص۸ [۳] ایضاً ص۱۰،

فَبَشِّرْ عِبَادِی الَّذِینَ یَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ	اے پیمبر! ہمارے ان بندوں کو مژدہ پہونچا دو، جو
فَیَتَّبِعُونَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِینَ	ہمارے کلام کو حسنِ استماع کے ساتھ سنتے اور
ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ	اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھیں
(زمر ع ۲)	خدا نے ہدایت دی ہے، اور جو صاحبِ عقلِ سلیم ہیں،

گویا ہدایت کا اصل راز حسنِ استماع ہے، پھر صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ آیۂ بالا میں جس شے کو "لُب" یا دانش سے تعبیر کیا ہے، اس کے کل سو حصے ہیں، جنھیں سے ننانوے ۹۹ حضرت رسالت پناہ صلعم کے حصہ میں آگئے، باقی ایک حصہ تمام کائنات کے مومنین پر تقسیم ہوا ہے، یہ جزو بجائے خود اکیس اجزا پر مشتمل ہے، ایک جزو سب مومنین میں برابر مشترک ہے یعنی کلمۂ شہادت، باقی بیس حصوں میں مومنین بہ لحاظ اپنی قوت ایمانی کے ایک دوسرے سے برتر و فروتر ہیں، آیۂ بالا میں "احسن القول" جس شے سے عبارت ہے، وہ رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا ہے، پس جو شخص اس کے اتباع اور اس کے حسنِ استماع میں جتنا غلو رکھے گا، اسی قدر وہ صفتِ تقرب سے زیادہ موصوف ہوگا، اور اسی صفت رکھنے والے کا نام صوفی ہے[1]،

اور یہ جو کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ اے ایمان والو!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلّٰہِ	خدا اور رسول کی اس دعوت کو بگوشِ ہوش
وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکُمْ	قبول کرو جب رسولِ خدا تمھیں اس امر کی جانب
(انفال ع ۳)	دعوت دیتے ہیں، جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے،

سو شیخ واسطی نے اس کی شرح میں لکھا ہے، کہ زندگی سے مراد یہ ہے، کہ انسان اپنے

---

[1] عوارف صفحہ ۱۳ (مطبوعہ مصر)

تئیں تمام علائق سے لفظاً وعملاً ہر طرح آزاد کرے، اور بعض صوفیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں، کہ خدا کی دعوت قبول کرو،

استجیبوا للّٰہ بسرائرکم وللرسول	اپنی اندرونی کیفیات سے، اور رسول کی دعوت
بظواھرکم فحیاۃ النفوس بمتابعۃ	قبول کرو اپنے ظاہری اعمال سے، اس لئے کہ حیاتِ
الرسول صلعم وحیاۃ	نفس عبارت ہو متابعتِ رسول صلعم سے، اور حیاتِ
القلوب بمشاھدۃ الغیوب وھو	قلب مشاہدۂ غیب سے جس کے معنی یہ ہیں، کہ گناہ کے
الحیاء من اللّٰہ تعالیٰ برویۃ التقصیر،	مواجہہ میں حق تعالیٰ سے شرم کیجائے[1]،

ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہی شیخ رح نے نکالا ہو یعنی کہ تصوف نام ہو قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول صلعم کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور ہر شے میں اتباعِ رسول[2] ہونے لگتا ہو، تو اس صورت میں انکے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ کی محبت لازم آجاتی ہو، اس لئے کہ وعدۂ الٰہی موجود ہو، کہ اے پیغمبر کہہ دو،

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ	کہ اگر خدا کو دوست رکھوگے. تو میری متابعت کرو،
یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ،	خدا تم سے محبت کرنے لگے گا،

متابعتِ رسول صلعم عین محبت الٰہی کی علامت ہے، اور اتباعِ رسول صلعم کا صلہ ہی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہو، پس جو شخص جتنا زائد متبعِ رسول صلعم ہے، اسی قدر

فاوفرالناس حظامن متابعۃ الرسول	زاید وہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، اور تمامی اہلِ
اوفرھم حظامن محبۃ اللّٰہ تعالیٰ والصوفیۃ	گروہوں میں صوفیہ ہی نے سب سے زیادہ اتباعِ
من بین طوائف الاسلام ظفروا بحسن المتابعۃ	رسول صلعم کیا ہو[3]

---

[1] عوارف صفحہ ۲، [2] ایضاً صفحہ ۲۶، [3] ایضاً،

اعمالِ نبوی میں بہ لحاظ کثرتِ عبادات و قیامِ تہجد، و نوافلِ صوم و صلواۃ اور اخلاق و اقوالِ نبوی میں بہ لحاظ عفو و حلم، رافت و رحمت، حیا، و تواضع مدارات و نصیحت، اور احوالِ نبوی میں بلحاظ زہد و توکل، صبر و رضا، خشیت و ہیبت، سب سے زیادہ گروہِ صوفیہ ہی نے حقِ اتباعِ سنتِ نبوی ادا کیا ہے، گویا گروہِ صوفیہ نام ہے اسی گروہ کا جس نے

فاستوفوا جمیع اقسام المتابعات و احیوا سنتہ باقصی الغایات،

ہر قسم کی متابعت کا حق ادا کر دیا، اور سنتِ رسول کو انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا۔

پس یہی گروہ صوفیہ صافیہ درحقیقت اس بشارتِ عظمیٰ کا بھی اہل ہے، جو حدیثِ نبوی میں وارد ہوئی ہے کہ،

من احیا سنتی احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ،

جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے گویا مجھے زندہ کیا، وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا،

صوفیہ قدیم کے ایک مسلم سرخیل شیخ عبدالواحد بن زیدؒ سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی، تو انھوں نے کہا کہ صوفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو

قال القائمون بعقولهم علی فهم السنة والعاکفون علیها بقلوبهم والمعتصمون بسیدهم من شر نفوسهم هم الصوفیة[1]

جو اپنی عقل کو سنتِ رسول پر صرف کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو اس پر متوجہ رکھتے ہیں، اور اپنے نفس کی خیانتوں سے اپنے سردار رسول اللہ صلعم کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے،

شیخ سہروردیؒ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

---

[1] عوارف صفحہ ۷۰، (مطبوعہ مصر)

هذا اوصف تام وصفهم به — یہ ان کی بہترین تعریف ہے جو کی گئی ہے[۱]

آج سوال صرف اتنا ہے کہ مشایخ و صوفیۂ حال کی اکثریت پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے؟ اور جو مدعیانِ فقر و طریقت، اتباعِ سنت و شریعت کو اپنے مرتبہ سے فروتر قرار دیتے ہیں ان پر لفظ "صوفیہ" کا اطلاق کسی حد تک بھی درست ہو سکتا ہے؟

آج کسی انسان کے پیر و مرشد بننے کے لیے صرف یہ وصف کافی سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کی درگاہ کا "صاحب سجادہ" یا "پیرزادہ" یعنی کسی بزرگ کی اولاد ہو، لیکن قدماء ان اصطلاحات اور اُن کے مفہوم سے یکسر بیگانہ تھے، ان حضرات کے نزدیک مرتبۂ شیخت طریقِ تصوف میں اعلیٰ ترین

ومرتبة المشيخة من اعلى الرتب في طريق الصوفية ونيابة النبوة في الدعاء الى الله[۲] — مراتب سے ہے، اور شیخ دعوت الی اللہ میں گویا نیابتِ نبوت کے منصب پر فائز ہوتا ہے،

استحقاق کا معیار بجائے نسبتی و نسبی قرابت کے پیروی و ارادِ حق و اتباعِ مسلکِ خیر تھا، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ :-

وكثيرًا كان شيخنا شيخ الاسلام ابو النجيب يقول ولدي من سلك طريقي واهتدى بهدي[۳] — میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقہ پر چلا اور جس نے میری راہِ ہدایت اختیار کی،

شیخ کے مرتبۂ کمال کا معیار بھی وہی اتباع و اقتدائے رسولؐ ہے، اگر شیخ کی یہ نسبتِ اقتدا و اتباع درست ہے، تو حسب نص قرآنی، وہ خدا کی نظر میں محبوب ہوگا[۴]،

موجودہ صوفیہ میں بعض بزرگوار اپنے تئیں طریقۂ ملامتی، و قلندری کا متبع بتاتے ہیں اور تکالیف شرعی کو اپنے سے ساقط سمجھتے ہیں، اور علانیہ اپنے وضع و لباس، اکل و شرب، ترکِ فرائض

---

[۱] عوارف ص ۲۰، (مطبوعہ مصر)، [۲] ایضاً ص ۵۰، [۳] ایضاً [۴] ایضاً،

وارتکابِ منہیات سے احکام شریعت کا استخفاف کرتے رہتے ہیں، اور اسے فخر کے ساتھ کمالِ روحانیت کی دلیل سمجھتے ہیں،

ملامتیہ وقلندریہ کا وجود شیخؒ کے زمانہ میں بھی تھا، وہ نفسِ طریقِ ملامتی کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں، اور بجائے خود طریقِ ملامتی کو فقر وتصوف، صدق واخلاص، کے بلند مرتبہ پر رکھتے اور اس کو متمسک بہ آثار وسنن قرار دیتے ہیں، انتحال شریف ومقام عزیز وتمسک بالسنن والآثار وتحقق بالاخلاص (ص۳) ان کے نقطۂ خیال کی پوری توضیح ملا جامیؒ نے نفحات الانس میں کی ہے، فرماتے ہیں[۱]:۔

"واما ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت معنی اخلاص ومحافظت قاعدۂ صدق واخلاص غایت جہد مبذول دارند، ودر اخفای طاعات وکتم خیرات از نظر خلق مبالغت واجب دانند باآنکہ ہیچ دقیقہ از مواجب اعمال مہمل نگذارند وتمسک بجمیع فرائض ونوافل از لوازم شمرند، ومشرب ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود ولذت شاں در نظر حق بہ اعمال واحوالِ ایشاں، وچناں کہ عاصی از ظہور معصیت بر حذر بود، ایشاں از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد حذر کنند، تا قاعدۂ اخلاص خلل نپذیرد۔"

یہ ان لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے جو فی الواقع مسلکِ ملامتیہ کے سالک ہوتے ہیں، لیکن ریاکاروں کا ایک گروہ آج سے نہیں، شیخؒ ہی کے زمانہ سے موجود رہا ہے، جس کو تصوف، فقر، وروحانیت سے کوئی واسطہ نہیں، بایں ہمہ

فمن ذلک قوم یسمون نفوسهم	وہ کبھی اپنے تئیں ملامتیہ کہتے ہیں، اور کبھی قلندریہ
قلندریة تارة وملامتیة اخری (ص۳)	مشہور کرتے ہیں۔"

---

[۱] نفحات الانس، جامی، صفحہ ۔۔۔ (مطبوعہ کلکتہ)

اس کے بعد ملامتیہ و قلندریہ و صوفیہ کے درمیان اصولی فرق بیان کر کے، شیخ اس ریاکار گروہ کے متعلق فرماتے ہیں، کہ گمراہوں کے ایک گروہ نے اپنے تئیں،

وقوم من المفتونين سموا انفسهم ملامتية ولبسوا لبسة الصوفية لينتسبوا بها الى الصوفية وما هم من الصوفية بشيء بل هم في غرور وغلط يتسترون بلبسة الصوفية توقيا تارة ودعوى اخرى وينتهجون مناهج اهل الاباحة ويزعمون ان ضمائرهم خلصت الى الله تعالى ويقولون هذا هو الظفر بالمراد والارتسام بمراسم الشريعة رتبة العوام والقاصرين الافهام المنحصرين في المضيق الاقتداء تقليدا وهذا هو عين الالحاد والزندقة والابعاد وجهل هؤلاء المغرورين ان الشريعة حق العبودية والحقيقة هي حقيقة العبودية ومن صار من اهل الحقيقة تقيد بحقوق العبودية وحقيقة العبودية[1]،

ملامتیہ مشہور کر رکھا ہے، اور لباس صوفیہ پہن رکھا ہے، تاکہ اس کا شمار صوفیہ میں ہو حالانکہ انھیں صوفیہ سے کوئی لگاؤ نہیں، بلکہ یہ لوگ دھوکے اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور صوفیہ کا لباس کبھی اپنے بچاؤ کے لئے اور کبھی کسی اور دعوی کے ساتھ پہنتے ہیں، اور اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں، اس زعم کے ساتھ کہ ان کے ضمائر خدا کی جانب خالص و راجع ہو گئے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ یہی کامیابی مقصود ہے، اور یہ کہ شریعت کی پابندیاں عوام کے لئے ہیں، جنکی عقلیں قاصر ہیں، اور جو تقلید "اقتدا" کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ عین الحاد، زندقہ و ابعاد و جہالت ہے، یہ فریب خوردہ گروہ اس حقیقت سے جاہل ہے کہ شریعت نام ہے حق عبودیت کا اور حقیقت عبودیت ہے، اور جو شخص اہل حقیقت سے ہوگا، وہ حق عبودیت اور حقیقت عبودیت میں مقید ہوگا،

[1] عوارف المعارف، ص ۲۴،

ایسے ہی لوگوں کے بابت حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ قول فیصل موجود ہے کہ :-

ان اناساً کانوا یوخذون بالوحی علی عہد	عہد رسالت پناہؐ میں لوگوں سے بربنائے احکام
رسول اللہ صلعم وان الوحی قد انقطع	وحی مواخذہ کیا جاتا تھا، سلسلہ وحی موقوف ہوگیا
وانما نأخذکم الآن بما ظہر من اعمالکم	اب ہم تم سے مواخذہ تمہارے اعمال کی بنا پر کریں گے
فمن اظہر لنا خیراً امناہ وقربناہ ولیس	پس جس کے اعمالِ خیر ہم پر ظاہر ہوں گے، ہم
الینا من سریرتہ شئ اللہ تعالی یحاسبہ	اسے قبول کریں گے، اور اس سے قربت کریں گے،
فی سریرتہ ومن اظہر لنا سوی ذلک	ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں، اس کے باطن
لم نامنہ وان قال سریرتی حسنۃ	کا محاسبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی، البتہ اگر اس کے
	اعمال دوسری صورت (یعنی صورت مذموم) میں
	ہمارے سامنے ظاہر ہوئے تو ہم اسے قبول نہیں
	کریں گے، خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہی،

فاروق اعظم رضؓ ہی کا ایک دوسرا ارشاد بھی ہماری رہبری کے لئے موجود ہے،

فاذا رأینا متہاوناً بحدود الشرع مہملاً	جب ہم ایسے شخص کو دیکھیں گے، جو حدود شرع کا
للصلوٰۃ المفروضات - لایعتنی بحلاوۃ	استخفاف کرتا ہو، نماز فرض کو چھوڑے ہوئے ہو، تلاوت
التلاوۃ والصوم والصلوٰۃ ویدخل	کلام مجید اور روزہ نماز سے حلاوت نہیں پاتا، اور
فی المداخل المکروھۃ المحرمۃ ردّہ و	حرام و مکروہ مقامات میں در آتا ہو، تو ہم اس سے انکار
لانقبلہ ولانقبل دعوبہ ان لہ	کریں گے، اور نہ اسے قبول کریں گے، اور نہ اس کے
سریرۃ صالحۃ،	اس دعویٰ کو کہ وہ باطن صالح رکھتا ہے،

سید الطائفہ، مرشد مرشدان عظام، شیخ مشایخ کرام حضرت جنید بغدادیؒ ایک مرتبہ

معرفتِ الٰہی پر گفتگو فرما رہے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ "اہل معرفت ترک اعمال صالحہ کے مقام تک بھی پہونچ جاتے ہیں" حضرت جنیدؒ اس قول کو سنکر جس قدر برہم ہوئے، اس کا اندازہ ان کے مندرجۂ ذیل جواب سے ہو سکتا ہے:-

ان ھذا قول قوم تکلموا باسقاط	یہ قول اس گروہ کا ہے جو ترک اعمال کا قائل ہے
الاعمال وھذا عندی عظیمۃ و	یہ میرے نزدیک بہت بڑی بات (بیباکی کی) ہے،
الذی یسرق ویزنی احسن حالاً	اور جو چوری کرتا اور زنا کرتا ہے، اس کا بھی حال ایسا
من الذی یقول ھذا وان العارفین	قول اختیار کرنے والے سے بہتر ہے، عارفین باللہ
باللّٰہ اخذوا الاعمال عن اللّٰہ والیہ	نے اپنے اعمال خدا سے حاصل کئے ہیں اور انھیں اعمال
یرجعون فیھا ولو بقیت الف عام	کے ساتھ وہ اس کی جانب واپس ہوں گے، میری عمر
لم انقص من اعمال البر ذرۃ الا	اگر ایک ہزار سال کی ہو تو میں ان اعمال خیر سے ایک
ان یحال بی دونھا، وانھا لا کد فی	ذرہ کم نہ کروں، بجز اس کے کہ میرا کوئی حائل ہو جائے
معرفتی واقوی لحالی	اور یہ اعمال تو میری معرفت کے لئے موکد اور میرے
	حال کے لئے موجب تقویت ہیں،

سالکانِ طریقت کے لئے اگر حضرت فاروق اعظمؓ حضرت جنیدؒ اور حضرت شیخ سہروردیؒ کے اقوال سے زیادہ مستند و قوی کسی اور کا قول ہو سکتا ہے، تو دنیا کو ہنوز اس کا علم نہیں،

باب (۶)

فوائد الفواد

(خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

ہندوستان کی دنیائے تصوف میں ایک خاص شہرت و امتیاز سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو حاصل ہے۔ خواجگان چشتؒ نے خود کوئی مستقل تصنیفات نہیں چھوڑیں بلکہ ان کی تعلیمات و ہدایات کو ان کے مریدین مخلصین "ملفوظات" میں جمع کرتے رہے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات اسی طرح علی الترتیب انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اور راحت القلوب کے نام سے محفوظ ہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سلسلہ خواجگانِ چشت کے خاتم تھے۔ آپ کا زمانہ ساتویں صدی کا آخر اور آٹھویں صدی کی ابتدا کا ہے۔ آپ کے ملفوظات متعدد ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور و مستند فوائد الفواد ہے، جو ان کے مرید باختصاص میر حسن علا سنجری کا مرتب کیا ہوا ہے۔ پچھلے صفحات میں جن بزرگوں کی تصانیف کو روشناس کیا گیا، نیز آئندہ ابواب میں جن کا ذکر آئیگا، وہ سب بہ استثنائے شیخ ہجویریؒ، ہندوستان سے باہر کے تھے، اور شیخ موصوف کا زمانہ بھی ہندوستان میں اسلام کے قدم جمنے سے قبل کا تھا۔ اس باب میں ایسے بزرگ کے درسِ ہدایت کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جنکی

ولادت، نشو و نما، وفات، سب ہندوستان ہی کے اندر ہوئی، اور جنھوں نے زمانہ وہ پایا جب مسلمان ہندوؤں سے خوب اچھی طرح مل چکے تھے اور "اسلامیت" "ہندیت" سے پوری طرح متاثر ہو چکی تھی،

(۱) مصنف[۱]

چھٹی صدی ہجری میں بخارا کے دو سید زادے سید علی اور سید عرب، ہندوستان وارد ہوئے پہلے قیام لاہور میں کیا پھر صوبہ متحدہ کے شہر بدایوں میں اگرچہ اس وقت مجمع صلحا و علما کے لحاظ سے قبۃ الاسلام کہا جاتا تھا مستقل سکونت اختیار کر لی یہیں ایک صاحبزادہ سید احمد کا عقد دوسرے کی صاحبزادی بی بی زلیخا سے ہوا، اس عقد کا ثمرہ اس وجود کے قالب میں ظاہر ہوا جس پر نہ صرف بدایوں نہ صرف دہلی، بلکہ سارے ہندوستان کو فخر و ناز ہے، ولادت مبارک ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی، ماں باپ نے نام فخر کائنات کے اسم مبارک پر محمد رکھا شہرت عام کی زبان نے نظام الدین اولیاء کہکر پکارا، اولیائے معاصرین کی زبانیں نظام الاولیاء، نظام الحق والدین، سلطان المشایخ اور محبوب الٰہی کے القاب پر کھلیں،

شجرۂ نسب پدری و مادری دونوں سلسلوں سے بواسطہ سیدنا امام حسین رض حضرت علی رض تک پہونچتا ہے عمر کے پانچویں سال سے ابھی قدم باہر نہیں نکلا تھا کہ سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا، اور عرب کے یتیم کی امت کا یہ گوہر بے بہا بھی یتیم رہ گیا، والد ماجد حضرت سید احمد ایک مقدس و متقی بزرگ تھے، جنکا مزار مبارک بدایوں میں اس وقت تک زیارت گاہ خلق ہے،

---

[۱] حضرت محبوب الٰہی کے سوانح و حالات کا سب سے بڑا اور مستند ماخذ میر خورد دہلوی کی سیر الاولیاء ہے، جو اگرچہ چھپ چکی ہے لیکن اب بازار میں نایاب ہے، بعض حالات ملفوظات حضرت بابا فرید راحت القلوب، مرتبہ حضرت محبوب الٰہی اور بعض حالات خود حضرت محبوب الٰہی کے متعدد ملفوظات فوائد الفواد راحۃ المحبین فضل الفواد و درر نظامی (غیر مطبوعہ) میں نکل آتے ہیں، ان کے علاوہ عام ماخذ تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، نفحات الانس، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا وغیرہ ہیں، اردو میں سیرت نظامی کے نام سے ایک مستقل کتاب ہے،

ان کی وفات کے بعد تربیت والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے دی، جو اپنے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ تھیں، اور جنکا مزار نواحِ دہلی میں اب بھی عقیدتمندوں کا مرجع ہے، مستجاب الدعوات تھیں، ہر دعا کا تیر ہدفِ مراد پر پہونچ کر رہتا تھا، آیندہ کے واقعات مکشوف ہوجایا کرتے تھے، مرض الموت میں مبتلا ہوئیں، تو کھانا پانی سب چھوڑ دیا، ہر وقت گریہ طاری رہتا تھا، جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ کی شام تھی، نیا چاند دیکھکر حضرت نظام الدین حسب دستور سلام کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا کہ "بیٹا! آیندہ مہینہ میں کس کے سلام کرنے کو آؤ گے، اور کون دعائیں دیگا؟" لختِ جگر کو معلوم ہوگیا، کہ سر سے یہ سایہ بھی اٹھاجاتا ہے، رو کر عرض کی، کہ "اماں جان ہم کو کس پر چھوڑے جاتی ہو"، فرمایا کہ "اس کا جواب صبح کو ملے گا اس وقت جاکر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں سو رہو"، رات میں نیند کسے آتی، صبح سویرے گھر کی خادمہ دوڑی ہوئی پہونچی کہ فوراً بلایا ہے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ماں نے پوچھا کہ "بیٹا رات کو خوش رہے"؟ رو کر اور قدموں پر گر کر عرض کیا، کہ "میری خوشی تو اماجان آپ کی سلامتی کے ساتھ ہے" فرمایا "اب وقت ہے کہ کل کی بات کا جواب لو"، یہ کہکر داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا، اور آسمان کی طرف منہ کرکے کہا، "پروردگار! اس دکھیارے بیکس کو تیرے سپرد کرتی ہوں" یہ کہا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی،

اس پایہ و مرتبہ کی ماں کی آغوشِ تربیت میں جس بچہ کا نشو و نما ہوگا، اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ خود کس پایہ و مرتبہ کا نکلے گا، ذہانت، ذکاوت، حافظہ، شوقِ علم، فہم صحیح، تمام خداداد قوتیں بچپن سے موجود تھیں، بدایوں اس زمانہ میں مرجع علما و مرکز کاملینِ فن تھا، قرآن حفظ کرنے کے بعد متعدد اساتذۂ وقت کی خدمت میں تلمذ حاصل کیا، اور اکثر علوم ظاہری میں پوری دستگاہ بہم پہونچائی، اس کے بعد ذوقِ علم ہی کی کشش دہلی کھینچ لائی، اور یہاں بقیہ علوم کی بھی تکمیل

ہوگئی، دستار بندی بدایوں ہی میں ہو چکی تھی، دلی میں آکر فن حدیث وغیرہ کی باضابطہ سند و اجازت بھی حاصل ہوئی، علوم میں گفتگو و بحث کا بڑھا ہوا شوق دیکھ کر طلبہ و علما کے طبقہ میں آپ کا نام نظام الدین بحاث پڑ گیا،

ادھر علوم ظاہری میں یہ غلو و انہماک جاری تھا، اُدھر فطرت مسکرا مسکرا کر ایک دوسری زندگی کے لئے تیار کر رہی تھی، ہنوز قیام بدایوں ہی میں تھا، اور عمر بارہ سال سے زائد نہ تھی، کہ ایک قوال کی زبان سے حضرت بابا فرید گنج شکر کے کمالات سنکر دل میں غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی، یہاں تک کہ ہر نماز کے بعد یا فرید کا وظیفہ شروع کر دیا تھا، دہلی آتے ہوئے راستہ میں حضرت موصوف کے بعض اور تذکرے سنے جن سے عقیدت کو مزید تقویت پہونچی، دہلی میں قیام شیخ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں ہوا، جو حضرت کے خلیفہ اور عزیز خاص تھے، ان کے ذریعہ سے حضرت باوا صاحب کے حالات و کمالات سن سن کر آتش شوق اور تیز ہوتی رہی، یہاں تک کہ ایک روز جامع مسجد دہلی میں ایک خوش لحن قاری کی زبان سے یہ آیہ کریمہ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ، دل بے چین ہو گیا، اور ترک تعلقات کر کے مرید ہو جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی، لوگوں نے شیخ نجیب الدین سے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، مگر خود شیخ نے فرمایا کہ "مرید ہونا ہے تو اس وقت کے ان دو بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ، ایک حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی، دوسرے حضرت بابا فرید اجودھنی" دوسرے ہی روز آپ دہلی سے چل کھڑے ہوئے، تاہم یہ تشویش دل میں باقی رہی کہ ملتان و اجودھن میں سے کہاں کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، آخر ایک شب میں سرور کائنات ؐ کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی، اور حکم ملا کہ اجودھن کا راستہ اختیار کرو، عمر کے بیسویں سال، ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو سفر کی آخری منزل ختم ہوئی، بعد ظہر حضرت باوا صاحب کی خدمت میں حضوری ہوئی، اُدھر سے

بھی جذبۂ اشتیاق زرد روں پر تھا، سلام میں خود ہی سبقت فرمائی گئی، اور نظر پڑتے ہی یہ شعر زبانِ مبارک پر آیا،

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بیعت کے ساتھ خلعتِ خلافت بھی مرحمت ہوئی، اور ارشاد ہوا کہ، "نظام الدین! میں تو ولایت ہندوستان کسی اور کو دینا چاہتا تھا، کہ غیب سے ندا آئی کہ انتظار کرو، نظام بدایونی آرہا ہے اور وہی اس ولایت کے لایق ہے"

ایک عرصہ تک مرشد کی خدمت میں سرگرم رہنے کے بعد حسب الحکم، دہلی واپس آئے اور مجاہدات و ریاضات میں مصروف ہوگئے، اخفائے حال کا اس قدر اہتمام تھا، کہ جہاں ایک جگہ قیام فرمانے کے بعد لوگوں کو بزرگی کا کچھ پتہ چلنے لگتا، مکان تبدیل فرما دیتے، اور کسی دوسرے محلہ میں اُٹھ جاتے، بالآخر جب خلقت کا ہجوم زیادہ رہنے لگا تو اشارۂ غیب پاکر شہر سے باہر غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں مدۃ العمر قیام رہا، ابتدائی زمانہ پیرو مرشد کی سنت میں بڑی تنگی و تنگدستی میں گذرا، شروع میں کئی سال تک یہ حال رہا، کہ مسلسل کئی کئی دن تک کوئی آمدنی کہیں سے نہ ہوتی، اور فقر و فاقہ کی نوبت آتی رہتی، چند سال کے بعد، مرشد کی دعا، یا کسی مجذوب کی توجہ (حسب اختلافِ روایات) کی برکت سے اس کے برعکس وہ فارغ البالی پیدا ہوئی کہ اچھے بڑے دنیا دار رئیسوں کو بھی رشک آنے لگا، باورچی خانہ دن رات گرم رہتا تھا، لنگر ہر وقت جاری تھا، مہمان خانہ ہمیشہ مہمانوں کے ہجوم سے پر رہتا تھا اور مہمانداری کا خرچ کئی ہزار ماہوار کا تھا، اس امارت و ریاست کے ساتھ، محبوب الٰہیؒ کی خود اپنی یہ حالت تھی، کہ سال کے سال برابر روزے رہا کرتے تھے، اور افطار و

سحر کے وقت، موٹے قسم کی غذا، وہ بھی بہت قلیل مقدار میں نوش فرمائی جاتی تھی "یہ خوش خوری"
جتنی تھی، سب دوسروں کے لئے تھی، اپنی ذات کے لئے اصلا نہیں، خدام پر تاکید یہ رہتی تھی،
کہ جو کچھ آتا رہے، روزانہ سب نکلتا بھی رہے، اور جمع مطلق نہ ہونے پائے، جمعہ کے روز اس کا
اہتمام اور زیادہ ہوجاتا تھا، اور جب تک توشہ خانہ مال وزر سے بالکل صاف نہ کرا دیا جاتا،
نمازِ جمعہ کے لئے تشریف نہ لیجاتے!

عمر بھر نکاح نہیں کیا، ساری زندگی تجرد میں گزار دی، اس لئے اولاد کا کوئی سلسلہ نہیں
چلا، ایک بھن تھیں، ان کی اولاد کا سلسلہ بحمد للہ جاری ہے اور خاندان کا سلسلۂ نسل اسی
سے قایم ہے،

خلق کا رجوع اس کثرت سے ہوا کہ حدِ حساب وبیان سے خارج ہے، درویشوں اور
عوام سے لیکر امراء، وزراء، اور ارکانِ سلطنت تک سب ہی اسی شمع کے پروانہ تھے، لیکن استغنا
کا یہ عالم ہے خود کبھی کسی امیر ووزیر کے ہاں تشریف نہیں لے گئے، بعض اوقات دربار شاہی
تک شکایات پہونچیں، بادشاہ کا فرمان صادر ہوا کہ کبھی کبھی دربار سلطانی میں حاضری ہوتی
رہے، مگر کبھی ایسے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی، بارہا اس طریقِ عمل سے عتاب سلطانی
کی نوبت آگئی، اور سخت سے سخت خطرات پیش آئے رہتے لیکن جو گردن رب الارباب کے آگے
جھک چکی تھی وہ کسی ایک موقع پر بھی کسی گردن کش سلطان دفرماں روا وزیر وامیر کے آگے
نہ جھکی، دہلی کے تخت پر جب قطب الدین مبارک شاہ بیٹھا، تو دراندازوں اور حاسدوں کے
کہنے سننے میں آکر حضرت شیخ سے خاص عناد رکھنے لگا، پہلے او متعدد سختیاں کیں، اس کے
بعد اس پر اصرار کیا کہ اگر ہر ہفتہ نہیں تو کم از کم ہر مہینہ کی چاند رات کو تو شیخ ضرور سلام کے لئے
دیوانِ شاہی میں حاضر ہوا کریں، معتقدوں اور مریدوں نے معاملہ کی نزاکت اور غضب سلطانی

کا اندازہ کرکے شیخؒ سے بمنت والحاح عرض کی کہ کم ازکم ایک مرتبہ تو بادشاہ کی خوشی پوری کردیجائے، یہاں تک کہ شوال کا مہینہ ختم ہوا اور ذی قعدہ کی چاند رات آگئی لیکن عین اسی شب میں بادشاہ ہی کے محبوب غلام خسرو خاں نے اپنے خنجر سے بادشاہ کا کام تمام کردیا۔

ہجوم علایق کے باوجود اذکار و اشغال میں ایک لمحہ کا فرق نہیں پڑنے پاتا تھا، ساری ساری رات ریاضتوں اور مجاہدوں کی نذر ہوجاتی، صبح جب حجرہ کا دروازہ کھلتا تو دیکھنے والوں کی نظر اس نورانی و روحانی ہستی پر پڑتی جو ساری شب پلک نہ جھپکنے سے پیدا ہوگئی ہوتی، امیر خسروؒ نے ایک ایسے ہی موقع پر حاضری کے وقت ہستیِ جمال سے بیخود ہوکر یہ شعر کہا تھا،

توشبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

عمر شریف اسی سال سے گذر چکی تھی، اس کبر سنی و ضعف میں بھی دوامِ صوم کے معمول میں فرق نہیں آیا، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے موثر الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

حق تعالیٰ اورا قبولے تمام داد و خاص و عام رابا ے رجوع شد و ابواب فتوح بروے مفتوح گشت و عالمے از موائد احسان و انعام او خواہد برگرفتند و او خود بر ریاضت و مجاہدہ می بود، گویند کہ در آخر عمر کہ سن شریفش از ہشتاد متجاوز شدہ بود بہ غایت مجاہدہ پیش گرفتہ بود و صوم دوام داشتی، و بوقت افطار اندک چیزے چشیدے، و طعامیکہ وقت سحر	حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبول بنادیا اور خاص وعام سب کا رجوع آپ کی طرف ہوگیا، آپ پر دروازہ فتوحات کھل گیے، اور ایک عالم آپ کی مہمان نوازیوں اور عنایتوں سے سیراب ہونے لگا، لیکن آپ خود برابر ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہتے، یہاں تک آخر عمر میں جب سن شریف اسی سے تجاوز ہوچکا تھا آپ انتہائی مجاہدوں میں مشغول رہتے تھے اور صوم دوام رکھتے تھے، افطار کے وقت

بودے اکثر چناں بودے کہ نخوردے، خادم	بہت قلیل غذا ہوتی، اور سحری اکثر ایسا ہوتا کہ نہ
عرضداشت کردے کہ مخدوم وقت افطار طعام کمتر	کھاتے، خادم عرض کرتے، کہ افطار ہی کے وقت کیا غذا ہوتی ہے
می خورند، اگر از طعام سحر اندک تناول نہ کنند	اگر سحری بھی چھوٹ گئی، تو ضعف ونقاہت سے کیا حال ہوگا
حال چہ شود، وضعف قوت گیرد، دریں محل	یہ سنکر وہ مخدوم رونے لگتے، اور فرماتے کہ "اتنے فقیر اور محتاج
بگریستی، و گفتے کہ چندیں مسکینان و درویشاں	مسجدوں اور دوکانوں میں بھوکے پڑے ہیں، میرے
در کنجہاے مساجد و دوکانہا گرسنہ وفاقہ زدہ	حلق سے نوالہ کیونکر اتر سکتا ہے" یہ فرماتے اور
افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چگونہ فرورود	کھانا سامنے سے ہٹا دیتے،
وہمچناں طعام از پیش بر می داشتند،	

نماز وعبادت کی حالت یہ تھی کہ ساری ساری رات اسی کے نذر ہو جاتی تھی، نماز جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ پچاسی نوے سال کی عمر میں ضعف ونقاہت کے باوجود، بالاخانہ سے نیچے شریک جماعت ہونے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، کثرت صوم کا یہ عالم تھا، کہ ساری عمر گویا روزہ ہی میں گذاری، یعنی سال کے وہ پانچ دن چھوڑ کر جنہیں روزہ رکھنا ممنوع ہے، باقی پورے سال کے سال روزہ ہی رکھتے تھے، عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ غذا میں کمی فرماتے گئے، یہاں تک کہ ضعیفی میں خدام جب کھانا پیش کرتے تو آپ ایک روٹی یا آدھی روٹی یا کوئی بدمزہ ترکاری مثل کریلا وغیرہ کے نوش فرما لیتے، باقی سب لذیذ ونفیس غذائیں دسترخوان پر بیٹھنے والوں کی نذر رہتی تھیں، اصرار کر کرکے انھیں کھلاتے، گرسنگی اور سیری، اور خواب وبیداری کی تقریباً ایک حالت ہوگئی تھی،

عموماً معمول یہ رہتا تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد بعد مغرب بالاخانہ پر تشریف لیجاتے، وہیں مریدوں اور مہمانوں کا مجمع ہو جاتا، دسترخوان پر رنگ رنگ کی غذائیں، میوے

اور شیرینیاں ہوتیں وہ سب دوسروں کی نذر ہوتیں، عشاء کے لئے نماز جماعت ادا کرنے کو نیچے تشریف لاتے اس کے بعد پھر اوپر تشریف لیجاتے، اس وقت صرف مخصوص مریدوں کو باریابی کی اجازت تھی، اکثر امیر خسروؒ حکایات و لطائف سناتے رہتے، اور حضرت تسبیح خوانی میں مصروف رہتے، کچھ دیر کے بعد یہ تخلیہ کی مجلس بھی برخاست ہوتی، خادم خاص خواجہ اقبالؒ چند لوٹوں میں پانی بھر کر رکھدیتے، کہ صبح تک کئی بار وضو کی ضرورت ہوگی، حضرت اندر سے دروازہ بند کرکے نماز، اوراد، اذکار میں مشغول ہوجاتے، سحری کے وقت ایک دوسرے خادم عبدالرحیمؒ ناشتہ لیکر حاضر ہوتے، آپ دروازہ کھول کر کھانا اکثر واپس فرمادیتے، کبھی برائے نام کچھ نوش فرمالیتے، گریہ کثرت سے طاری رہا کرتا، خدام نے دن اور رات کے دوسرے وقتوں کے علاوہ سحری کے وقت بھی گریہ کرتے ہوئے پایا، بعض خدام نے دسترخوان پر ادھ چبے نوالے پائے، دریافت سے پتہ چلا کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسے دہانِ مبارک سے واپس نکال کر رکھدیا جاتا ہے،

وفات سے چالیس روز قبل غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو تک گوارا نہ تھی، گریہ زاری بہت بڑھ گئی تھی، نفل نمازوں میں سجدے بہت کثرت سے فرمانے لگے تھے، نماز سے فراغت کے بعد دریافت فرماتے، کہ "نماز میں نے پڑھ لی ہے؟" اور جب جواب ملتا کہ "پڑھ لی ہے" تو یہ کہکر کہ، "پڑھ لوں، خیر نہیں پھر بھی پڑھونگا یا نہیں"، پھر پڑھنے لگ جاتے، جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بہت قریب آگیا، تو اقبال خادم کی طرف اشارہ کرکے سب لوگوں سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ "اس نے کوئی چیز گھر میں باقی رکھی تو قیامت میں اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے"، خادم نے تھوڑی دیر کے بعد عرض کیا، کہ "درویشوں کی خوراک کے لئے کچھ غلہ رکھ لیا ہے، باقی اور سب کچھ تقسیم کردیا ہے،" ناخوش ہوکر فرمایا کہ "اس غلہ کو ابھی لٹا دو، اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو"، چنانچہ فی الفور تعمیل ہوئی، وفات حسب روایت صبح چہار شنبہ

۱۸ ربیع الثانی شتہ کو بعمر ۸۰ سال طلوعِ آفتاب کے بعد ہوئی، مقبرہ کی عالیشان عمارت زندگی ہی میں بادشاہِ وقت یا کسی امیر نے (بہ اختلافِ روایت) بنوا دی تھی، مگر اُس میں دفن ہونا پسند نہ فرمایا، اس عمارت کو حسبِ وصیت مسجد بنا دیا گیا، اور اس کے ضمن میں تدفین ہوئی مشہور ہے کہ شروع میں تربت خام اور قبر نمایاں تھی، پختہ مزار اول بار تیمور کے حکم سے بنا، موجودہ عمارت مختصر ہونے کیساتھ ہی نہایت دلکش و دلکشا ہے، اور بعض اہلِ کشف کے قول کے مطابق ایک غیر معمولی کشش اور جاذبیت اپنے اندر رکھتی ہے،

مشہور مریدوں میں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ، امیر خسروؒ، میر حسن علا سنجریؒ، شیخ مبارک گوپا موئیؒ، مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ، ہوئے ہیں، ایک ضعیف روایت میں ہے کہ مخدوم شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی بھی آپ کے مرید تھے، خلافت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کو ملی،

(۲) تصنیف

خواجگانِ چشت کے "پنجتن پاک" نے اپنی تعلیمات و ہدایات کی کوئی یادگار کسی مستقل تصنیف کی شکل میں نہیں، بلکہ اپنے ملفوظات کے قالب میں چھوڑی تھی، مختلف مجلسوں میں جو کلمات طیبات زبانوں سے نکلتے تھے، مریدانِ باصفا انھیں قلمبند کر لیتے تھے، اور مرتب کرکے ان کا نام ملفوظ رکھدیتے تھے، مرشد کے ان ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے والے وہ بزرگ رہے ہیں، جو خود آگے چل کر خدا اعلم کتنوں کے مرشد ثابت ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اور ان کے ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اور ان کے ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے اور ان کے ملفوظات شیخ بدر الدین اسحاقؒ اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے جمع فرمائے، چراغ سے چراغ اسی طرح جلتا رہا، اور انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اور اسرار الاولیاء

وراحت القلوب کے نام سے سلسلۂ چشتیہ کے اکابر اربعہ کے ملفوظات گرامی کا ذخیرہ جمع ہو گیا،
اکابر خواجگانِ چشت کے سلسلہ کے خاتم حضرت سلطان المشایخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ تھے
آپ کے ملفوظات کے جمع کرنے کی سعادت ایک سے زائد مریدانِ با اخلاص کے حصہ میں
آئی، چنانچہ امیر خسروؒ نے دوجدا گانہ ملفوظات، راحت المحبین، اور افضل الفوائد کے نام سے جمع کئے
اور ایک ملفوظ، شیخ علی محمود جاندارؒ نے درر نظامی کے نام سے مرتب کیا، جو اب تک غیر مطبوع ہے[1]،
لیکن تمام ملفوظات نظام الاولیاء میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند ملفوظ قرار پایا جسے
مرید با اختصاص، میر حسن علا سجزیؒ نے فوائد الفواد کے نام سے جمع و تالیف کیا، اہلِ دل کے نزدیک
یہ کتاب گویا چشتیہ نظامِ تصوف کا ایک مکمل دستور العمل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کا
تذکرہ کرکے لکھتے ہیں :۔

آں کتاب درمیان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین دستور است،، (اخبار الاخیار ص۹۵
مطبع محمدی دہلی)

اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

،، فوائد الفواد، دستور العمل سلوک است و بہ غایت خوب، ہر چند خسرو ہم ملفوظ جمع کردہ
لیکن آں قدر مقبول نیست،، (ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ص۳۷ مطبع مجتبائی میرٹھ)
،، کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر است و آں وقت دستور العمل بود مگر دیگر ملفوظات مشتبہ است
غالب کہ نہ باشد،، (ایضاً، ص۸۱)

اور یہ اعترافات تو صدیوں بعد کے ہیں، اسی زمانہ کے ایک عارف کا اقرار ملاحظہ ہو،

[1] میں نے قلمی نسخہ، جو اغلاط کتابت سے معمور ہے، آستانۂ نظامیہ کے ایک خادم سید علیم الدین صاحب نظامی کے
پاس دیکھا ہے، اور ان کی عنایت سے اس سے مستفید ہوا ہوں،

"امروز آں فوائد الفواد مقبولِ اہلِ دلان عالم شدہ است و دستورِ عاشقاں گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ" (سیر الاولیا، امیر خورد دہلوی، ص۳۰۵ مطبوعہ دہلی)

خود امیر خسروؒ کی بابت منقول ہے، کہ وہ رشک کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تصانیف حسنؒ کے نام سے ہوتیں اور ان کی یہ ایک کتاب میرے نام سے[51] یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ حسنؒ نے اسی ملفوظ کو مرتب کر کے مرشد کی خدمت میں پیش کیا، اور وہاں سے پروانۂ قبول و سندِ پسندیدگی حاصل ہوئی[52]

پیش نظر نسخہ مطبع نولکشور کا مطبوعہ متوسط تقطیع پر دوسو ساٹھ صفحہ کی ضخامت کا ہے، اور پانچ حصوں میں تقسیم ہے، پہلا حصہ ص۱-۴۱ ہے، اس میں شعبان ۷۰۷ھ سے لیکر ذی الحجہ ۷۰۸ھ ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے، حصہ دوم (ص۴۲-۹۰) میں شوال ۷۰۹ھ سے شوال ۷۱۲ھ تک ۳۸ مجلسوں کے تذکرہ ہیں، حصہ سوم (ص۹۱-۱۴۳) میں ذی قعدہ ۷۱۲ھ سے ذی [illegible] ۷۱۵ھ تک ۱۵ مجلسوں کا بیان ہے، حصہ چہارم (ص۱۴۴-۲۱۷) میں محرم ۷۱۶ھ سے رجب ۷۱۹ھ تک ۶۲ مجلسوں کے مذاکرے ہیں، حصہ پنجم (ص۲۱۸-۲۶۰) میں شعبان ۷۱۹ھ سے رجب ۷۲۲ھ تک ۳۴ مجلسوں کے ارشادات جمع ہیں، اس طرح کل ۱۸۹ مجلسوں اور صحبتوں کی گفتگوئیں درج ہیں، اور زمانہ کے لحاظ سے یہ مدت پندرہ سال تک پھیلی ہوئی ہے، گو درمیان میں وقفہ بھی خاصہ طویل طویل ہے، اور یہ مدت مسلسل نہیں حضرت شیخؒ کا زمانۂ وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہے، گویا ان ملفوظات کا سلسلہ وقتِ وفات سے دو ڈھائی سال قبل تک کا ہے،

ظاہر ہے کہ کتاب محض مجموعۂ ملفوظات ہے، یعنی جو ارشادات شیخؒ کی زبانِ مبارک سے

---

[51] اخبار الاخیار، ص۹۵، و سیر الاولیا، ص۳۰۶،

[52] خزینۃ الاصفیا، غلام سرور لاہوری، جلد اول ص۳۴۴، نولکشوری،

مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں نکلے، انھیں قلمبند کر کے یکجا کر دیا گیا ہے، اس لئے جو انداز بیان اور اسلوب ترتیب ایک تصنیف کا ہوتا ہے، اس کی تلاش ہی یہیں عبث ہے، انداز و اسلوب سے قطع نظر کرکے مغز و مطالب کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ گفتگوئیں کسی عام جلسہ میں نہیں، منبر وعظ پر نہیں بلکہ محض مریدوں اور حلقہ بگوشوں کے مختصر حلقہ کے سامنے ہوتی تھیں، اس لئے قدرۃً اس کے موقع بہت زائد تھے، کہ اگر تصوف، شریعت اسلامی کے مخالف کسی شئے کا نام ہوتا، تو اس کے مخصوص عقائد و ارکان و اعمال کی تبلیغ اپنے مخصوص معتقدین کے سامنے بے خوف اور بے دھڑک کیجاتی، پھر آفتاب رسالت صلعم کو بھی غروب ہوئے سات سو سال کی مدت گذر چکی تھی، ہر قسم کی بدعات زور و شور کے ساتھ پھیل چکی تھیں، اور دین اچھی طرح رنگ آمیزیوں کا مجموعہ بن چکا تھا، ان حالات میں توقع تو یہی قائم ہو سکتی ہے، کہ اس ملفوظ میں شریعت سے ہٹ کر کسی جدید طریقت کی تلقین کی گئی ہو گی، اور ارکان دین سے بے پروائی برت کر تصوف و فقر کے نئے نئے اصول و ارکان سکھائے گئے ہوں گے!

ان توقعات کے ساتھ کتاب کھولئے، تو چند ہی سطروں کے بعد نظر اس عبارت پر پڑتی ہے، اور پڑھتے ہی جم جاتی ہے، کہ:۔

سخن در تزکیہ افتاد، ہر لفظ مبارک راند کہ کمال مرد و در چہار چیز می شود، قلۃ الطعام وقلۃ الکلام، وقلۃ الصحبۃ مع الانام وقلۃ المنام (ص۲)	ایک روز تزکیۂ نفس پر گفتگو تھی، ارشاد ہوا، کہ کمال ان چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، کم کھانے سے کم بولنے سے، کم ملنے جلنے سے، اور کم سونے سے،

- یہ نہیں ارشاد ہوا، کہ خوب دھوم دھام سے عرس کرنے سے، قبروں پر خوب چراغاں کرنے سے، مزارات کے غسل دینے سے، ان پر خوب اونچے اونچے قبہ بنانے سے، گاگر اور چادر اور صندل اٹھانے سے، شیرینیوں کا ڈھیر تربتوں پر لگا دینے سے کمال حاصل ہوتا ہے، بلکہ حصول کمال

کی راہیں ٹھیک وہی بتائیں، جو دنیا کے سب سے بڑے معلمؐ اور مرشد صلعم اور اسکے شاگردوں اور مریدیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی راہیں تھیں، یعنی کم خوری، کم سخنی، کم آمیزی، اور کم خوابی، کیا سرورِ کائنات صلعم اور صحابۂ کرامؓ میں کسی کا طریقہ (نعوذ باللہ) اس کے برعکس بہت زیادہ کھانے، بہت زیادہ باتیں کرنے، بہت زیادہ اور بے ضرورت میل جول، اور بہت زیادہ سونے کا تھا،

جامعِ ملفوظات، کتاب کے شروع میں، ہر مجلس میں جب جب اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہیں تو وقتِ حاضری، قبل نماز یا بعد نماز ہی بتاتے ہیں، گویا نظامِ اوقات کا محور یا مرکز نماز ہی تھی، بعد کی مجالس میں اس تصریح کا التزام غالباً غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا، مجالس میں کبھی کبھی اور اتفاق سے نہیں، بلکہ بہ کثرت اور بار بار جن چیزوں کا ذکر ملتا ہے، وہ نماز اور روزہ ہیں، نوافل و سنن ہیں، اور قرآن و تراویح ہیں، اور احترامِ شریعت و اتباعِ سنت کی تاکیدیں ہیں،

فقر و تصوف، آپ کی نظر میں صرف وجد و حال کا نام نہ تھا، بلکہ ظاہر و باطن دونوں کی آراستگی، کا نام تھا، فرماتے تھے، کہ :۔

خلق بر چہار نوع است، بعضے آں چناں اند کہ ظاہرِ ایشاں آراستہ و باطن خراب، و بعضے آنچناں اند کہ ظاہر ایشاں خراب و باطن آراستہ و بعضے را ظاہر و باطن خراب باشد و بعضے را ظاہر و باطن آراستہ، طایفہ کہ ظاہرِ ایشاں آراستہ باشد و باطن خراب آں قوم متعبداں اند کہ طاعت بسیار کنند و دل ایشاں مشغولِ دنیا باشد و طائفہ کہ باطنِ ایشاں آراستہ باشد

لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنکا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے، دوسرے وہ جنکا ظاہر خراب اور باطن آراستہ، تیسرے وہ جن کا ظاہر و باطن دونوں خراب، چوتھے وہ جنکا ظاہر و باطن دونوں آراستہ، اب جن کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب، وہ لوگ متعبد کہلاتے ہیں کہ گو طاعت بہت کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا دل دنیا میں مشغول رہتا ہے، اور وہ لوگ

وظاہر خراب آں مجاذیبان اندکہ درون ایشاں	جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہے، وہ مجانین
باحق مقبول باشد و در ظاہر سروساماں نباشد	(مجاذیب) ہوتے ہیں، کہ ان کا دل حق سے لگا
و طائفہ کہ ظاہر و باطن ایشاں خراب باشد	ہوتا ہے لیکن عمل ظاہری نہیں رکھتے اور جن کے
آں عوام اند، و طائفہ کہ ہم ظاہر ایشاں آراستہ	ظاہر و باطن دونوں خراب وہ عوام ہیں، اور جنکے
باشد و ہم باطن آں مشایخ اند، (ص ۱۳۳)	ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں وہی مشایخ (فقرا) ہیں،

صوفی و مشایخ ہی ہیں کہ عموماً احکام شریعت کے پورے پابند ہیں، بلکہ فرائض کسی وقت بھی ان سے ترک نہیں ہوتے، استغراق و تحیر کا مقام ایسا ہے کہ اسی مقام کے لئے اگر تکلیفات شرعیہ کے ساقط ہو جانے کا دعویٰ کیا جائے، تو شاید بہ آسانی چل جائے، لیکن حضرت نظام الاولیا کی غیرت ایمانی کو اس قدر رعایت بھی گوارا نہیں، ایک مرتبہ مجلس میں ان متحیروں کا ذکر ہو رہا تھا جو دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ عرض کیا، کہ میں نے فلاں مقام پر چند متحیروں کو دیکھا، جو آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے شب و روز عالم حیرت میں رہا کرتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا، تو فوراً نماز پڑھ لیتے تھے، اور اس کے بعد پھر اپنے اسی عالم تحیر میں واپس پہونچ جاتے تھے، خاتم خواجگان چشت نے اس کی تصدیق فرمائی، اور ارشاد فرمایا:-

ہمچنیں باشد کہ گفتی اگرچہ شب و روز متحیر باشند	بیشک ایسا ہی ہوگا جیسا تم نے کہا، تحیر میں دن
اما نماز ایشاں فوت نہ شود، از جنس ایں	رات رہیں لیکن ان کی نماز نہیں قضا ہونے پاتی
تحیر حکایت شیخ الاسلام حضرت قطب العالم	اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی فرمود	بختیار اوشی کے تحیر کی حکایت بیان فرمائی،
قدس اللہ سرہٗ کہ او را ہمچنیں چہار شبانہ	کہ وفات کے وقت مسلسل چار شب و

روز تحیر بود در وقت نقل (ص ۱۳۳)	روز ان پر تحیر طاری رہا،

خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے وصال کی حکایت عام طور پر مشہور ہے یعنی محفلِ سماع برپا تھی، قوال جب غزل کے اس شعر پر پہونچا، ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تو قطب عالم کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، جب خانقاہ سے گھر لائے گئے تو،

چوں ازآں مقام بہ خانہ آمد مدہوش و متحیر بودؒ	اس وقت مدہوش و متحیر تھے، اور کہے جاتے تھے، کہ
می فرمود کہ ہمیں بیت بگویند ہمیں بیت پیش	اسی شعر کی تکرار کئے جاؤ، تکرار ہو رہی تھی، اور وہ
او می گفتند، او ہمچناں متحیر می بودؒ چوں وقتِ نماز	اسی طرح مدہوش تھے، جب نماز کا وقت آتا نماز
در می آمد نماز می گذاردؒ و باز ہمیں بیت میگویاند	پڑھ لیتے تھے، اور پھر اسی شعر کی تکرار کرانے لگتے
حالتے و حیرتے پیدا می آمد چہار شباں روز	تھے، اور حال و حیرت کا عالم ان پر طاری ہو جاتا تھا
ہم بریں حال بود شب پنجم رحلت نمود (ایضاً)	شب و روز برابر یہ حالت رہی، پانچویں شب کو انتقال فرمایا

احترام و اتباعِ شریعت کی یہ انتہائی مثال ہے کہ باوجود بے خبر اور بے ہوش ہونے کے نماز کے لئے ہوش اور باخبری بہرحال باقی رہتی ہے، ایک یہ سرتاج چشتیہ بہشتیہ کی مستی و بیخبری تھی، کہ اپنے کھانے پینے، سونے، جاگنے، پہننے، اوڑھنے سے یکسر مدہوش و بیخبر لیکن اللہ کے باندھے ہوئے فرض کے لئے باہوش، باخبر! اور ایک آج کل کے مست و قلندر صوفی ہیں، کہ اپنے ہر آرام و آسایش، ہر لطف و لذت کا ہوش، اور صرف اللہ کے باندھے ہوئے فرائض کے باب میں مدہوش و بیخبر!

جس وقت خاص شفقت و التفات فرماتے تھے، اس وقت بھی تاکید "طاعت" و "عبادت" ہی کی ہوتی تھی، جامع ملفوظات کہتے ہیں کہ ۱۵ شعبان ۶۳۳ھ کو جب حضوری نصیب ہوئی تو

بندہ را پیش طلبید، فرمود کہ باید کہ مشغول شوی بہ طاعت و عبادت باشی بہ اوراد و ادعیہ و اگرچہ ہم مطالعہ کتاب مشایخ باشد مشغول باشی و بیکار نہ باشی، (ص ۲۴)	بندہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہمیشہ طاعت و عبادت میں اوراد اور دعاؤں کے ذریعہ سے مشغول رہنا چاہئے، خواہ کتبِ مشایخ ہی کا مطالعہ جاری رکھو، لیکن بہرحال مشغول رہو، بیکار نہ رہو،

اسی طرح ۲۹ جمادی الآخر ۷۱۳ھ کی مجلس کے تحت میں مذکور ہے کہ سعادتِ قدم بوسی حاصل ہوئی، نمازِ جماعت کے فضائل کا تذکرہ ہوا، بندہ سے ارشاد ہوا کہ نماز باجماعت ہی پڑھنا چاہئے، بندہ نے عرض کیا کہ میرے مکان کے قریب مسجد ہے لیکن جس مکان میں ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے ہم اٹھکر چلے جائیں تو کاغذ و کتاب وغیرہ کی حفاظت کے لئے کوئی موجود نہیں رہتا، اس لئے مکان ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، ارشاد ہوا کہ جماعت سے ضرور پڑھنا چاہئے، اور بہتر یہی ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے،، (ص ۱۰۲) ہمارے زمانہ کے کتنے "مشائخ" ہیں جن کے نزدیک سرے سے نماز ہی غیر ضروری ہے، جماعت کی تاکید اور مسجد کی اہمیت کا بھلا کیا ذکر ہے!

آج سجادگی کے لئے جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں، گدی نشینی کے لئے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اور نذر و نیاز اور چڑھاوے کی آمدنیوں کے حصہ تقسیم ہوتے وقت کیا کچھ نہیں ہوتا، اور اس حبِ دنیا کا نام "تصوف" رکھ لیا گیا ہے، حضرت سلطان المشائخ ایک اور بزرگ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اوراد و تسبیح، نماز و روزہ ان سب کی مثال دیگ کے مصالحہ کی ہے، اور دیگ کا گوشت ترکِ تعلقِ دنیا ہے، جس طرح محض گھی اور نمک اور مصالحہ ڈال دینے سے بغیر گوشت ڈالے ہوئے شوربہ تیار نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر ترکِ حبِ دنیا

کے سارے اعمال بے نتیجہ ہیں لیکن گوشت اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے اسی طرح ترک دنیا اگر موجود ہے تو بجائے خود کافی ہے لیکن خود ترک دنیا کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اس سے جوگیوں اور راہبوں کے طریقے مراد ہیں؟ تصوف اسلام کا یہ امام اس کی وہی تشریح کرتا ہے جو اس کے آقا مخدوم رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی:۔

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و بنشیند، ترکِ دنیا آں است کہ لباس بہ پوشد و طعام بخورد، اما آنچہ میرسد روا بدارد، و بہ جمع او میل نہ کند و خاطر را متعلق چیزے ندارد و ترکِ دنیا ست،

(ص۹)

ترک دنیا کے معنی یہ نہیں کہ اپنا لباس اتار دیا جائے اور انسان لنگوٹہ باندھکر بیٹھ رہے، ترک دنیا کے معنی یہ ہیں کہ انسان لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے البتہ جو کچھ کماتا ہے خرچ کرتا رہے جوڑ جوڑ کر نہ رکھے، اور دل کو کسی چیز میں اٹکائے نہ رکھے یہ ہے ترک دنیا،

تصوفِ اسلام کے اوراق میں بار بار کہا جا چکا ہے، کہ طریقت، شریعت سے جدا اور مخالف نہیں بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام ہے، فقہار نے شریعت کے صرف ظاہری پہلو کو لے لیا، اور فقرار نے اپنی نظر باطنی پہلو پر رکھی، محبوب الٰہیؒ کے ملفوظ مبارک میں بار بار اسی خیال کی تکرار ملتی ہے، ایک روز حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت بیان فرمائی، کہ آپ سیاحی کرتے ہوئے بدایوں وارد ہوئے، اور یہاں قیام فرمایا، ایک روز حاکم شہر کے مکان پر جو قاضی تھے، ملنے کو گئے، خدمت گاروں نے کہا کہ اس وقت قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں، شیخؒ نے تبسم کے ساتھ فرمایا "قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں"؟ دوسرے روز قاضی صاحب شیخؒ کے مکان پر آئے، اور کہا کہ کل آپ نے یہ کیسے فرما دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ میں تو مسائلِ نماز و احکام پر متعدد کتابیں تصنیف

کرچکا ہوں، "شیخؒ نے کہا کہ "عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے، اور فقیروں کی دوسری" قاضی صاحب بولے کہ "کیا فقیر کوئی اور قرآن پڑھتے ہیں، یا رکوع اور سجدہ کسی نئے طریقہ پر کرتے ہیں؟" شیخؒ نے فرمایا کہ "عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کر لیا، یا اگر دور ہیں تو جہت کعبہ کو اور اگر یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تو اندازے سے جہت کعبہ کو تصور کر کے نماز شروع کر دی، لیکن فقیروں کی نماز یوں نہیں ہوتی، وہ جب تک عرش الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے، نماز نہیں شروع کرتے" (ص ۲۳۶-۲۳۷) نماز میں حضورِ قلب کی اس سے زیادہ تاکید اور اس سے بہتر تفسیر کوئی کیا کر سکتا ہے؟

آج عبادت و ریاضت و ادائے فرائض و اتباعِ شریعت سے بچنے کے لئے ایک لفظ "عشق و محبت" گرھ لیا گیا ہے، اور ہر نافرمانی کو اسی پردہ میں چھپا لیا جاتا ہے، لیکن "صدقِ محبت" کی تشریح ذرا عاشقوں کے اس سردار کی زبان سے ملاحظہ ہو:-

صدقِ محبت متابعت ست، چوں کسے	محبت کی سچائی متابعت سے ظاہر ہوتی ہے، جب
محبِ ایشاں شد ہر آئینہ متابعتِ ایشان کند و از	کوئی ان سے محبت کریگا، تو یقیناً ان کی متابعت بھی
ناشائستہ دور باشد، چوں ایں چنیں شود	کریگا، اور اعمال ناشائستہ سے دور رہے گا، اور
ہر آئینہ گناہ نہ نویسند، آں گاہ فرمود کہ تا	جب ایسا ہوگا تو لامحالہ اس کے گناہ بھی نہ لکھے
محبتِ حق در غلافِ قلب باشد امکانِ	جائیں گے، پھر ارشاد ہوا کہ محبت حق جب تک
معصیت ہست، اما چوں محبت در سویدا	غلافِ قلب میں ہے، گناہ کا امکان باقی ہے،
قلب در آید بیش امکانِ معصیت نہ باشد	لیکن جب محبت سویدا قلب میں داخل ہو جاتی ہے،
(ص ۲۰۹)	تو معصیت کا امکان نہیں باقی رہتا،

آج کتنے مدعیانِ فقر و تصوف کے نزدیک طریقت، خصوصاً طریقت چشتیہ کا دار و مدار

قوالی کی محفلوں اور سارنگی اور ہارمونیم کی آوازوں پر رہ گیا ہے لیکن سلسلۂ چشتیہ کے اس آفتاب کے نزدیک سماع کا مزامیر کے ساتھ سننا قطعاً جائز ہی نہ تھا، ایک روز حاضرین

یکے از حاضران گفت کہ دریں روزہا بعضے از درویشاں آستانہ دار در مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقصہا کردند خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ نیکو نہ کردہ اند، آنچہ نامشروع است ناپسندیدہ ست، (ص ۳۲۷)	محفل میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک روز آستانۂ مبارک کے حاضر باش بعض درویش ایسے مجمع میں جس میں رباب و مزامیر تھے، رقص کر رہے تھے، حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "برا کیا، جو شے نامشروع ہے ناپسندیدہ ہے،

جب یہ درویش لوٹ کر آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس مجلس میں مزامیر بھی تھے تم نے سماع کیسے سنا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ "ہم سماع میں اس قدر مست و مستغرق ہوگئے کہ مزامیر کے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہ چلا، حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا "یہ جواب کچھ بھی نہیں، وہ عمل معصیت ہی میں لکھا جائیگا" (ص ۳۲۷) اسی طرح ایک دوسرے موقع پر بھی ذکر ہے کہ کسی شخص نے آکر خدمت والا میں عرض کی کہ فلاں مقام پر آپ کے بعض مرید مزامیر کے ساتھ سماع سن رہے تھے، حضرتؒ نے ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا کہ "انھوں نے برا کیا، میں منع کر چکا ہوں کہ مزامیر نہ ہونی چاہئے" اس کے بعد اس باب میں یہاں تک تاکید فرمائی اور اتنی احتیاط کے لئے ارشاد فرمایا کہ اگر نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی ہو، اور جماعت میں عورتیں بھی شامل ہوں، اور نماز میں امام کو سہو ہو، تو مرد تو سبحان اللہ کہکر اسے متنبہ کر سکتے ہیں لیکن عورت اگر لقمہ دینا چاہے تو آواز سے نہ کہے بلکہ اس کی آواز غیر مردوں کے کان میں جائیگی، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کرے، لیکن اس میں بھی یہ احتیاط رکھے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ یہ تالی بجانے کی شکل ہے، جو داخل لہو ہے، بلکہ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی

پشت پر مارے، جب ملاہی میں یہ احتیاط ہے کہ پتنگ تک کی اجازت نہیں تو مزامیر کیونکر جائز ہو سکتے ہیں،، (ص ۵۹)

حضرت خواجہ سماع سنتے رہتے تھے، لیکن آپ کے نزدیک سماع کن کن شرائط و قیود کے ساتھ جائز تھا، ذرا اسے بھی سن لیا جائے، فرماتے تھے :۔

گفت ہر گاہ کہ چند چیز جمع شود سماع آنگاہ	جب چند شرائط جمع ہو جائیں، اس وقت سماع
شنود، و آں چند چیز چیست، مسمع و مسموع مستمع	سنے، وہ چند چیزیں ہیں کیا؟ مسمع، مسموع، مستمع،
و آلت سماع، آنگاہ ایں تقسیم را فائدہ	آلۂ سماع، پھر اس تقسیم کی شرح یوں فرمائی،
فرمود و گفت کہ مسمع گویندہ است او می باید	کہ مسمع سے مراد قوال ہے، اور قوال کو مرد اور
کہ مرد باشد و مرد تمام بود کودک نہ باشد و عورت	مرد بالغ ہونا چاہئے، یعنی عورت اور امرد نہ ہو
نہ باشد، مسموع آنچہ می گویند باید کہ ہزل و فحش	مسموع سے مراد کلام ہے، کلام میں ہزل و فحش
نہ باشد، مستمع آنکہ می شنود او ہم باید کہ بحق شنود	کی آمیزش نہ ہونا چاہئے، مستمع سے مراد سننے والا
و مملو از یاد حق باشد، آلت سماع چوں چنگ	ہے اسے چاہئے کہ حق کے لیے سنے اور اس کا دل
رباب و امثال آں باید کہ درمیاں نہ باشد	یاد حق سے لبریز ہو، اور آلۂ سماع مثل چنگ و
ایں چنیں سماع حلال ست،	رباب وغیرہ کے کچھ موجود نہ ہو، جب یہ شرائط
(ص ۲۴۶)	جمع ہوں تو وہ سماع حلال ہوگا،

آج کتنے اعراس کی محفلوں میں، یہ شرائط پورے نہ سہی کسی حد تک بھی لحاظ رکھے جاتے ہیں؟ آج کتنے سماع خانوں کی مجلسیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں؟ لیکن ایسے خالص و پاکیزہ سماع کے باب میں بھی قول فیصل سن لیجئے،،:۔

سماع صوتے ست موزوں حرام چرا باشد	سماع نام ہے آواز موزوں کا محض اس کی حرمت

دیگر تحریک قلب ست، اگر آں تحریک بہ یاد حق باشد مستحب است و اگر میل بہ فساد باشد حرام بود، (ص ۲۴۶)	کی کوئی وجہ نہیں، لیکن اسی کے ساتھ قلب کو بھی تحریک ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کی ہے تو مستحب ہے لیکن اگر مائل بہ فساد ہے تو حرام ہے،

یہ ہجرت نبوی سے سات سو سال بعد والا ہندی تصوف ہے، جس میں ہندی اور عجمی غیر اسلامی عنصروں کی آمیزش بہ کثرت ہو چکی تھی، آج کا تصوف، پہلی صدی ہجری کے مطابق نہ سہی، کاش آٹھویں صدی ہی کے معیار کے مطابق ہوتا!

باب (۷)

منطق الطیر

شیخ فرید الدین عطارؒ

اب تک جن تصانیف سے تعارف ہوا سب نثر کی تھیں، لیکن قدما ہی کے دور آخر میں معارف ایمانی وحقایق روحانی کو نظم میں ادا کرنے کی بنیاد پڑ چکی تھی، جسے سلطین نے معراجِ کمال پر پہونچایا، سنائی، مغربی، عراقی، نظامی، سلطان ابو سعید، خسرو، جامی، یہ سب نثر سے کہیں زیادہ آزادی و بے تکلفی کے ساتھ نظم میں اسرار و معارف کو بیان کرتے ہیں، اور مولانا رومیؒ نے تو زبانِ شعر کو الہامی بنا دیا، شیخ فرید الدین عطارؒ بھی اسی جماعت کے ایک مقتدر رکن اور دورِ قدما کی آخری یادگار ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ رندِ سرمست جب میکدۂ شعر میں قدم رکھتا ہے، تو جبہ و دستار کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھتا ہے،

(۱) مصنف

اسم مبارک محمدؐ بن ابی بکر ابراہیم ہے، کنیت ابو حامد یا ابو طالب، لقب فرید الدین تخلص عطار، عام زبانوں پر اسم مشہور فرید الدین عطارؒ ہے،

ولادت مضافات نیشاپور میں ہوئی تھی، مزار بھی وہیں ہے سنہ ولادت غالباً ۵۴۰ھ ہجری ہے، سالِ وفات میں بہت اختلافات ہیں، نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۲۷ھ ہجری ہے، عمر کے بہت طویل ہونے پر سب تذکرہ متفق ہیں، سبب وفات بھی سب کو مسلّم ہے یعنی تاتاریوں کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرمایا،

ابتدا میں ایک بہت بڑے کارخانۂ ادویہ کے مالک تھے، ایک روز اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی کہ خدا کے نام پر کچھ دلاؤ، یہ مخاطب ہوئے اُس نے کئی بار صدا لگائی، یہ اس قدر منہمک تھے کہ جواب تک دینے کی فرصت نہ پائی، اُس نے کہا "مشغولیت کا یہ حال ہے جان کیسے دوگے"؟ انھوں نے جھنجھلا کر کہا "جیسے تم دوگے" فقیر نے کہا "بھلا میری طرح کیا دوگے" یہ کہا اور سر کے نیچے کاسۂ گدائی رکھکر لیٹ گیا، زبان سے لاالہ الااللہ کہا، اور روح پرواز کر گئی، شیخ کے قلب پر اس واقعہ کا سخت اثر پڑا، کارخانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا، اور خود اسی وقت سے درویشی اختیار کر لی[۱]

پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کئے پھر سفر و زیارت بیت اللہ کو نکلے اور بہت سے مشایخ کی خدمت میں رہے، بالآخر شیخ مجد الدین بغدادیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کئے کہ خود اپنے مرشد کے لئے باعث فخر ہوئے،

شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو اسیر کیا، اتنے میں ایک راہ گیر نے کہا کہ "اس پیر مرد کو قتل نہ کرو، دس ہزار اشرفیاں معاوضہ لیکر میرے حوالہ کر دو"، شیخ نے کہا "خبردار، اتنے پر مجھے فروخت نہ کرنا میں

---

[۱] نفحات الانس ص۶۹۵ دکلکتہ) و تذکرہ ہفت اقلیم امین رازی، وغیرہ،

اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں" آگے بڑھکر ایک اور شخص ملا اُس نے کہا کہ "اس پیر مرد کو مجھے دے ڈالو میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں" شیخ نے کہا "ہاں دے ڈال کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے" تاتاری سپاہی سمجھا کہ حضرت شیخ اس سے دل لگی کر رہے ہیں، غصہ میں آکر وہیں سر تن سے جدا کر دیا[۱]

جلالتِ مرتبہ کے اندازہ کے لئے یہ حقیقت کافی سے زائد ہے کہ مولانائے رومؒ متعدد مقامات پر شیخ فریدالدینؒ کا نام بہ حیثیت اپنے مقتدا و پیشوا کے لیتے ہیں، اور ان کی عظمت کا بار بار اعتراف کرتے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں :-

گر عطار گشت مولٰنا | شربت از دست شمس بود نوش

ایک اور موقع پر ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او | ما در پسِ سنائی و عطار آمدیم

ایک اور موقع پر اعترافِ کمال انتہائی عقیدت کے ساتھ ہے،

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت | ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

اسی تعظیم و احترام کے ساتھ مثنوی میں بھی جا بجا نام لیا ہے، اور ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کیا ہے،

ملا جامیؒ، مولانا رومیؒ کا یہ مقولہ بھی نقل کرتے ہیں کہ نورِ منصور نے ڈیڑھ سو برس کے بعد شیخ عطارؒ پر تجلی کی اور ان کا مربی رہا،

جامیؒ خود اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں :-

" و آں قدر اسرارِ توحید و حقایقِ اذواق و مواجید کہ در مثنویات و غزلیاتِ وی اندراج

[۱] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی و مفتاح التواریخ وغیرہ،

بانتہ در سخنان ہیچ یک ازیں طائفہ ثابت نمی شود، جزاہ اللہ سبحانہ عن الطالبین المشتاقین خیر الجزاء[۱]،

تصانیف نظم و نثر بہت کثرت سے ہیں بعض روایات کے مطابق ان کی روایت سور قرآنی کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں یہی روایت اختیار کی ہے، جیسا کہ اشعار ذیل سے واضح ہوگا،

ہماں خریطہ کش داروے فنا عطار — کہ نظم اوست شفا بخش عاشقان حزیں

مقابل عدد سورۂ کلام نوشت — سفینہائے عزیز و کتابہائے گزیں

اس روایت کی صحت کا علم تو عالم مطلق ہی کو ہے ازیادہ مشہور و معتبر کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) تذکرۃ الاولیا نثر میں قدمائے صوفیہ کا مفصل تذکرہ، (۲) منطق الطیر، (۳) مصیبت نامہ (۴) اسرار نامہ (۵) دبیسر نامہ، (۶) الٰہی نامہ (۷) دیوان، (۸) پند نامہ (۹) وصیت نامہ (۱۰) خسرو و گل، (۱۱) شرح القلب،

بعض ایسی کتابیں بھی شیخ کی جانب منسوب کر دی گئی ہیں، جو قطعاً جعلی ہیں مثلاً لسان الغیب جس کا نسخہ برٹش میوزیم (لندن) میں موجود ہے اور جس کے بہت سے اشعار ایک شیعہ مقدمہ نویس نے مقدمہ تذکرۃ الاولیا (مطبوعہ یورپ) میں حضرت شیخ کی شیعیت کے ثبوت میں پیش کئے ہیں، شیخ کی ذات گرامی اس سے کہیں ارفع ہے کہ ان اتہامات کی تفصیل تردید پر توجہ کیجائے،

مزاج میں خاکساری و فروتنی جس درجہ کی تھی اس کا ثبوت تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ کی

---

[۱] نفحات صفحہ ۶۹۰

ایک ایک سطر میں ملتا ہے، اپنے تئیں سب سے زیادہ حقیر اور ناچیز سمجھتے تھے، اور غالباً یہ خاکساری ہی کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج ان کا نام سرآمد عارفان و سرتاجِ عاشقاں کی حیثیت سے زندہ و روشن ہے،

(۲) تصنیف

تذکرۃ الاولیا کے بعد حضرت عطارؒ کی مقبول ترین تصنیف یہی منطق الطیر ہے، اس کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مولانائے رومؒ کی مشہور و معروف مثنوی کا نقش اول یہی مثنوی ثابت ہوئی ہے، بعض تذکروں میں صراحت کے ساتھ یہ روایت درج ہے کہ شمس تبریز و صلاح الدین زرکوب کے انتقال کے بعد جب مولاناؒ کے التفات خاص کے مورد حسام الدین چلپی ہوئے تو ایک بار انھوں نے مولانا سے عرض کیا کہ "غزلیات کا مجموعہ بہت ہو چکا اب کچھ توجہ مثنوی پر ہو، اور شیخ عطارؒ کی منطق الطیر کی طرز پر کوئی مسلسل نظم ارشاد فرمائی جائے" مولانا نے دستار سے ایک کاغذ نکال کر چلپی کو دیا جسمیں مثنوی کے تیرہ ابتدائی اشعار، ع بشنو از نے چون حکایت میکند، سے لیکر، ع "درنیابد حال پختہ ہیچ خام"، تک لکھے ہوئے تھے، اور ارشاد فرمایا کہ "قبل اس کے کہ یہ فرمائش تمھاری زبان سے ادا ہو اس کی تعمیل ہو گئی"

مثنوی و منطق الطیر کا وزن ایک ہے، موضوع ایک ہے، اور افسانوں سے اخلاق و تصوف کے درس حاصل کرنے کا اسلوب ایک ہے، مولانا نے عطارؒ کے حقِ تقدم کو مثنوی میں جابجا تسلیم کیا ہے، اور ان کے متعدد اشعار کو اپنے کلام میں ضم کر کے پیش کیا ہے،

مضامینِ کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ حمد و نعت و منقبت خلفائے اربعہ کے بعد اصل قصہ کا آغاز کیا ہے، اشخاصِ افسانہ بجائے انسانوں کے چند پرندے فرض کئے ہیں، ہدہد، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہ، ایک روز یہ سب پرندے یکجا ہوتے ہیں، اور اپنا ایک

بادشاہ منتخب کرنا چاہتے ہیں، ہدہد سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے، اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں، ہدہد ایک ایک کا اعتراض سنتا، اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے، بالآخر اس پیامبر حق و عرفان (ہدہد) کی تفہیم و تبلیغ سے تمام طیور شاہ شاہان سیمرغ کے حلقۂ اطاعت و انقیاد میں آجاتے ہیں، سوالات وہی ہیں جو عموماً ہر طالب و سالک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے جوابات جادۂ سلوک و عرفان کے مختلف مقامات ہیں، لفظ "منطق الطیر" کا ماخذ کلام کی آیۂ کریمہ وورث سلیمان داؤد وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شئی، (نمل، ع ۲) ہے، ہدہد چونکہ طیور سلیمانی میں بلحاظ فہم و دانش مرتبۂ بلند رکھتا تھا، شیخؒ نے طریقت کے حقائق و معارف اسی کی زبان سے ادا کرائے ہیں،

حمد بہت مفصل لکھی ہے، سب سے زیادہ زور بندہ کی بیچارگی، بے علمی، و درماندگی پر ہے، ؎

عقل و جان و دین و دل درباختیم ... تا کمالِ ذرۂ بشناختیم
لب بدوز از عرش و ز کرسی مپرس ... گرچہ یک ذرہ ہمی پرسی مپرس
عقل تو چون در سرِ موئے بسوخت ... ہر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام ... چند گویم کس نداند و السلام

اسمار حکیم و لطیف کی تجلیات حیرت انگیز طریقوں سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں، عقل بشری حوادث فطرت کو دیکھکر دنگ رہجاتی ہے، انبیاء کرامؑ تک کو عجیب و غریب حالات میں رکھا گیا ہے، ؎

سوی کنہ خویش کس را راہ نیست ... ذرۂ از ذرۂ آگاہ نیست،
درنگر اول کہ با آدمؑ چہ رفت ... عمرہا با او درین عالم چہ رفت
باز بنگر نوحؑ در غرقاب کار ... تا چہ برد از کافراں سال ہزار

یعقوبؑ کی سرگردانی وگریہ وزاری، یوسفؑ کی غلامی واسیری، ایوبؑ کی ستم کشی وبرداشت مصائب، یہ چند نمونہ ہیں، باقی تقریباً تمام انبیاؑ کی زندگی طلسم سازِ فطرت کی انھیں کرشمہ نمائیوں کا ایک مسلسل مظہر ہے، اور تو اور حضرت سرورِ کائناتؐ تک کی حیات طیبہ اسی قسم کے خوارقِ فطرت سے لبریز ہے ؎

عنکبوتے را بہ حکمت دام داد   صدرِ عالم را درو آرام داد

معرفتِ باری کی صرف صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس ہستی مطلق میں گم کر دے، ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس   تو درو گم شو وصال این ست و بس
تو درو گم شو حلولے آں بود   ہرچہ آں نبود فضولے آں بود

اس تک پہونچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی بےبسی وعجز کا اعتراف کیا جائے، بجائے خدا سے ڈرنے کے خود اپنے سے خوف کیا جائے، اور بارگاہِ ارحم الراحمین میں بصد تضرع والحاح مناجات کی جائے، کہ وہ اپنے درد ومحبت کا ایک ذرہ ہی عنایت کر دے، ؎

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود   کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

. . . .

اے ز فضلت ناشدہ نومید کس   حلقۂ داغ تو ام جاوید و بس
ہر کرا خوش نیست دل بر دردِ تو   خوش مباد از آنکہ نبود مردِ تو
ذرۂ دردم دہ ای درمانِ من   زانکہ بے دردت بمیرد جانِ من
کفر کافر را و دیں دیندار را   ذرۂ دردت دلِ عطار را

نعت گوئی حضرت عطارؒ کا خاص جوہر ہے، ملاجامیؒ کی طرح وہ بھی اس صنفِ سخن کے

مالک ہیں خلوص و نیاز کا رنگ ایک ایک لفظ سے جھلک رہا ہے، ذوق و شیفتگی ایک ایک مصرعہ سے ٹپک رہی ہے: ؎

خواجۂ دنیا و دیں گنجِ وفا | صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفےٰ
آفتابِ شرع و دریائے یقیں | نورِ عالم رحمۃ للعالمیں
خواجۂ کونین سلطانِ ہمہ | آفتابِ جان و ایمانِ ہمہ
پیشوائے ایں جہان و آں جہاں | مقتدائے آشکارا و نہاں
خواجۂ کز ہر چہ گویم پیش بود | وز ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود
ہمچو شبنم آمد از بحرِ وجود | خلقِ عالم از طفیلش را وجود
آفرینش را جز او مقصود نیست | پاک دامن تر از و موجود نیست
عقل را در خلوتِ او راہ نیست | علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست
چوں پر دو سیمرغ ذاتش آشکار | موسیٰؑ از وحشت پرد[illegible]یچہ دار
رفت موسیٰؑ بر بساطِ آنجناب | خلعِ نعلین آمدش از حق خطاب
باز در معراج شمعِ ذوالجلال | می شنید آوازِ نعلینِ بلالؓ
موسیٰ عمران چو آں دولت بدید | چاکرِ او را چنیں قدرت بدید
گفت یارب امتِ او کن مرا | در طفیلِ ہمتِ او کن مرا

یہ تمام توصیف صیغۂ غائب میں تھی، اب گویا حضوری نصیب ہوئی، اب جو معروضات براہِ راست بارگاہِ سرورِ عالمؐ میں پیش ہو رہے ہیں، ان کا بھی نمونہ ملاحظہ ہو: ؎

تا ابد شرعِ تو و احکام تست | ہمسرِ نامِ الٰہی نامِ تست
یا رسول اللہ بسے در ماندہ ام | باد بر کف خاک بر سر ماندہ ام

بیکساں راکس توئی در ہر نفس — من ندارم در دو عالم جز تو کس

یک نظر سوے منِ غمخوارہ کن — چارۂ کار منِ بیچارہ کن

گرچہ ضایع کردہ ام عمر از گناہ — توبہ کردم عذر من از حق بخواہ

گر نہ لاتا من بود ترسے مرا — ہست از لاتا نیسوا درسے مرا

اے شفاعت خواہ مشتے تیرہ روز — لطف کن شمع شفاعت بر فروز

دیدۂ جاں را لقاے تو بس است — ہر دو عالم را رضاے تو بس است

آگے چل کر خلفاے اربعہؓ کے مناقب بیان کئے ہیں بعض حلقوں میں عطارؒ کو شیعہ مشہور کرنے کی جو عجیب کوشش کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں جو لغو اشعار ان کی جانب منسوب کئے گئے ہیں، ذرا اس کو پیش نظر رکھکر ذیل کی مدح چار یار سننا! ابتدا "افضل البشر بعد از انبیاء" سے ہوتی ہے، سہ

خواجۂ اول کہ اول یار اوست — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

صدر دیں، صدیق اعظمؓ قطبِ حق — در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہر چہ حق از بارگاہِ کبریا — ریخت در صدر شریف مصطفےٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت — لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

فاروق اعظمؓ کی جلالت قدر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے، سہ

خواجۂ شرع آفتاب شرع دیں — ظلِ حق فاروق اعظمؓ شمع دیں

ختم کردہ عدل و انصافش بحق — تا فراست بردہ بر جنش سبق

آنکہ دارد بر صراط اول گذر (ص) — ہست او از قول پیغمبر عمرؓ

ذوالنورینؓ کی فضیلت مراتب پر روشنی ڈالنے کے لئے اشعار ذیل کافی ہیں، سہ

خواجۂ سنت کہ نورِ مطلق است | بل خداوندِ و نور بر حق است
آنکہ عزقِ قدسِ فرقان آمدست | صدرِ دیں عثمان عفان آمدست
رونقے کاں عرصۂ کونین یافت | از دلِ پر نور ذوالنورین یافت
یوسفِ ثانی بہ قولِ مصطفےٰ | بحرِ تقویٰ وحیا کانِ وفا

اہل سنت کا عقیدۂ صحیح نامکمل رہجائیگا اگر حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کی درگاہ پر بھی عقیدت کے پھول نہ چڑھائے گئے، ؎

خواجۂ حق پیشواے راستیں | کوہِ حلم و بحرِ علم و قطبِ دیں
ساقیٔ کوثر امامِ رہنماے | ابن عم مصطفےٰ شیرِ خداے
مرتضیٰ و مجتبےٰ زوجِ بتول ؓ | خواجۂ معصوم دامادِ رسول ؐ
مقتدائے دیں بہ استحقاق اوست | مفتیٔ مطلق علی الاطلاق اوست

اس کے بعد نہایت تفصیل کے ساتھ کئی اوراق اس موضوع کی نذر کئے ہیں کہ جو لوگ خلفائے ثلثہ ؓ سے تعصب رکھتے ہیں، وہ خود جناب امیر ؓ کی تعظیم کے بالکل مخالف بلکہ دشمن ہیں، اور اس قول کی تائید میں آپ کی سیرتِ مبارک سے چند واقعات نقل کئے ہیں، (ص ۲۵-۳۲)

ہدہد (پیمبرِ حق) جو تمام طیور کے جمع ہونے پر انھیں سلطان مطلق کے زیر انقیاد آنے کی دعوت دیتا ہے، اور مرتبہ سلطانی کے لئے سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے، وہ اس سیمرغ کے اوصاف بھی بیان کرتا ہے، ان اوصاف پر نظر کرنے سے سمجھ میں آسکے گا، کہ سیمرغ سے کس حقیقت عالیہ کا کنایہ ہے اور افسانہ کے پردہ میں کن معارف کی تعلیم ہورہی ہے

نامِ او سیمرغ سلطانِ طیور | او بہ ما نزدیک و ما زو دور دور

صد ہزاراں پردہ دارد بیشتر ... ہم ز نور و ہم ز ظلمت بیشتر
در دو عالم نیست کس را زہرۂ ... کو تواند باخت ازوی بہرۂ
دایما او بادشاہ مطلق است ... در کمال عزِ خود مستغرق است
نے بدو رہ نے شکیبائی ازوست ... صد ہزاراں خلق سودائی ازوست
ہیچ دانائے کمال او ندید ... ہیچ بینائے جمال او ندید

یعنی وہ سب کا بادشاہ ہم سے متصل ہے، اور ہم اس سے بیگانہ ہیں، کائنات میں کسی کی اتنی مجال نہیں کہ وہ اُس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے، وہ سب کا ازلی وابدی بادشاہ مطلق ہر وقت اپنے شانِ کمال میں غرق ہے، اِس غم میں ہزار ہا مخلوق پریشان ہے، کہ نہ اِس تک پہونچنے کی راہ ملتی ہے، نہ تھک کر بیٹھا جاتا ہے، نہ کوئی عقل آج تک اس کے کمال کو پہونچ سکی ہے، نہ کوئی آنکھ اُس کے جمال سے مشرف ہو سکی،

باقی ساری کتاب اسی حقیقت الحقایق، اسی ذات علی الاطلاق، اِسی ہستی ورا الورار کی توصیف، اس تک رسائی کی تدابیر اور منازلِ سفر کی تفصیل کی نذر ہے، چند مضامین و مطالب بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں، یہی انداز ساری کتاب کا ہے،

راہِ طلب وسلوک میں سب سے بڑا راہزن نفس کا شوقِ جاہ وترفع ہے، انسان اپنے اوپر سخت سے سخت تکالیف اٹھا لیتا ہے، بڑی بڑی ریاضتیں گوارا کرتا ہے، شدید سے شدید مجاہدات اختیار کرتا ہے، لیکن عموماً مقصود یہ ہوتا ہے کہ خلق میں عابد وزاہد مشہور ہو، لوگ عزت وتکریم سے پیش آئیں اور دنیا اس کے تقدس کا چرچا کرے، حالانکہ اس راہ میں اس سے بڑھکر اور کوئی مانع ہو نہیں سکتا، شبلیؒ ایک مرتبہ اپنے مقام

سے غائب ہوگئے، لوگوں نے بڑی تلاش کی، بالآخر مخنثوں (ہیجڑوں) کے ایک گروہ کے درمیان "چشم تر و خشک لب بیٹھے" ہوئے ملے، ایک شخص نے حیرت سے سوال کیا، آپ نے جواب دیا، کہ "جس طرح یہ گروہ نہ عورت ہے نہ مرد، اسی طرح میں راہِ دین میں نہ مرد ہوں نہ عورت، بداعمالیوں کی کثرت سے میری زندگی خود میرے لئے باعثِ شرم ہے" عارف کو اسی طرح اپنے تئیں ذلیل و خوار رکھنا چاہئے، ؎

ہمچو مرداں ذلِ خود کن اختیار | کردہ بر استادگان عزت نثار
گر تو پیش آئی ز موی در نظر | خویشتن را از بتے سازی بتر
مدح و ذمت گر تفاوت میکند | بت گرے باشد کہ او بت میکند
گر تو حق را بندۂ بتگر مباش | در تو مردے ایزدی، آذر مباش
نیست ممکن درمیانِ خاص و عام | از مقامِ بندگی برتر مقام
بندگی کن، بیش ازیں دعوی مجوے | مردِ حق شو عزت از عزی مجوے
چوں ترا صد بت بود در زیرِ دلق | چوں نمائی خویش را صوفی بہ خلق
اے مخنث جامۂ مرداں مدار | خویش ازیں بیش سرگرداں مدار[1]

ایک مرتبہ قاضی شہر کے پاس دو فریق اپنے مقدمہ کا تصفیہ کرانے کی غرض سے آئے، اور دونوں لباس صوفیانہ پہنے ہوئے تھے، قاضی نے انھیں تنہائی میں لیجاکر بڑی غیرت دلائی کہ "جسم پر یہ لباسِ ترک و تسلیم، اور دل بدستور حرص و ہوس کے جھگڑوں میں مبتلا، میں تو صفائی باطن کا دعوی نہیں رکھتا، محض فصلِ خصومات کرتا رہتا ہوں، مگر مجھے ایسی حالت میں اس جامۂ فقر سے شرم آتی ہے، اس میدان میں اگر جذباتِ نفسانی کو برقرار رکھنا اپنے

[1] صفحہ ۱۰۱

دین و دنیا دونوں کو برباد کرنا ہے۔" ؎

در خصومت آمدند و در جفا	دو مرقع پوش در دار القضا
قاضی ایشاں را بہ کنج برد باز	گفت صوفی خوش نہ باشد جنگ باز
جامۂ تسلیم در بر کردہ اید	ایں خصومت از چہ در سر کردہ اید
گر شما ہستید اہلِ جنگ و کیں	ایں لباس از تن بنید از بدیں
ور شما ایں جامہ را اہل آمدید	در خصومت از سر جہل آمدید
منکہ قاضی ام نہ مرد معنوی	زیں مرقع شرم می دارم قوی
مرد را در فرقِ مقنع داشتن	بہ بود زیں ساں مرقع داشتن
گر بہ دعوئ عزم ایں میداں کنی	سر دہی بر باد ترکِ جاں کنی[1]

شقاوتِ نفس کی کوئی حد نہیں، انسان کی نظر سے ہزار ہا درد انگیز و عبرت ناک واقعات گذرتے رہتے ہیں، پھر بھی اسے عبرت یا نصیحت نہیں حاصل ہوتی، ایک شخص نے ایک معمر گورکن سے سوال کیا کہ، تیری عمر قبروں کے کھودنے میں گذری، یہ بتا کہ کیا کیا عجیب چیزیں نظر آئیں،" جواب ملا کہ سب سے عجیب شے یہ دیکھی کہ ستر سال گورکنی کرتے ہو گئے لیکن نفس سرکش ایک لمحہ کے لئے بھی مردہ نہ ہوا۔" ؎

یافت مردے گورکن عمرے دراز	سائلش گفتے کہ چیزے گوی باز
تاچہ عمرے گور کندی در مغاک	چہ عجائب دیدۂ در زیر خاک
گفت ایں دیدم عجائب حسب حال	کیں سگ نفسم ہمیں ہفتاد سال
گور کردن دید و یک ساعت نہ مرد	یک زماں فرمان و یک طاعت نبرد[2]

---

[1] صفحہ ۱۰۲ [2] صفحہ ۱۰۸

سب سے زیادہ زور ترکِ علایق دنیوی پر دیا ہے حبِّ دنیا حیات ایمانی کے حق میں سمِّ قاتل ہے ؎

حب دنیا ذوقِ ایمانت ببرد — آرزوئیش پرتوِ جانت ببرد،
چیست دنیا آشنائے حرص و آز — ماندہ از فرعون و از نمرود باز
کارِ دنیا چیست، بیکاری ہمہ — چیست بیکاری، گرفتاری ہمہ
ہست دنیا آتشِ افروختہ — ہر زماں خلقے دگر را سوختہ[1]

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر استراحت فرما رہے تھے، کہ سر کے نیچے ایک چھوٹی سی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے تھے آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ابلیس قریب ہی کھڑا ہے، فرمایا، "ملعون تیرا یہاں کیا کام"؟ اس نے جواب دیا کہ "یہ اینٹ جس کا آپ تکیہ لگائے ہوئے ہیں میری ملک ہے، ساری دنیا میری ہی ملک کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اینٹ بھی اسی سامان دنیوی کا ایک جزو ہے، آپ نے اس کو اپنے کام میں لاکر از خود مجھ سے توسل پیدا کیا ہے،" حضرت مسیحؑ نے یہ سنتے ہی اینٹ پھینک دی، اور دوبارہ بغرض استراحت لیٹ گئے، اس وقت ابلیس بولا کہ "اب بیشک آپ آرام سے سوئیے اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں رہا"[2]

کوئی صاحب ایک مرتبہ بعد نماز دعا میں مصروف تھے کہ "اے کارسازِ عالم میرے حال پر رحم کر"، ایک دیوانے نے اُن کی دعا کو سنکر کہا کہ تم اور رحمت طلب کرتے ہو، دراں حالیکہ تمھاری کیفیت یہ ہے، کہ ہمہ وقت اپنی خود پرستیوں میں مست رہتے ہو، مکان ہے تو عالیشان، در و دیوار ہیں تو زرنگار، کام کاج کے لئے غلاموں کی تعداد کثیر کے محتاج

---

[1] صفحہ ۱۰۴ [2] صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹

کنیزوں کی ضرورت مستزاد خود پرستی میں یہ انہماک و اہتمام، اور اس پر نزول رحمت کی توقع و طلب! اگر واقعی رحمتِ باری کی تمنا ہے، تو پہلے اپنے کو اس کے غیر سے مستغنی و فارغ البال تو کرو، "وتبتل الیہ تبتیلا" ؎

توز نازِ خود نہ گنجی در جہاں | می خرامی از تکبر ہر زماں
منظرے سر بر فلک افراشتہ | چار دیوارش بزر بنگاشتہ
وہ غلام و دہ کنیزک کردہ راست | رحمت آنجا کے بود بر گوی راست
نیک بنگر تا تو با ایں جملہ کار | جائے رحمت داری آخر شرم دار
تا نہ گردانی ز ملک و مال روئے | یکنفس نہ نمایدت آں حال روئے
روئے اکنوں می بہ گرداں از ہمہ | تا شوی فارغ چوں مرداں از ہمہ[1]

مومن کو مایوس کبھی نہ ہونا چاہیئے، خواہ معاصی و ذنوب فوق الحد ہی ہوں، یاس صرف کافروں کا حصہ ہے، فسق و معصیت کی خواہ کتنی ہی کثرت ہو، پھر بھی ارحم الراحمین کی رحمت اس سے وسیع تر ہے، مومن کو چاہیئے کہ ہر حال میں اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے، اور اپنی طرف سے توبہ میں مشغول رہے، اس مفہوم کو مختلف مقامات پر ادا کیا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

تو یقیں می داں کہ صد عالم گناہ | از تف یک توبہ برخیزد زراہ
بحر احساں چوں درآید موج زن | محو گرداند گناہِ مرد و زن[2]

ایک اور موقع پر ؎

گر نہ بودے مرد را توبہ قبول | کے بدے ہرگز برائے او نزول

---

[1] صفحہ ۱۰۹ [2] صفحہ ۱۰۸

گر گنہ کردے درِ توبہ ست باز | توبہ کن، لیکن درِ نہ خواہد شد فراز
گر بہ صدق آئی دریں رہ یکدمے | صد فتوحت پیش آید ہر دمے

اصل شے خلوص و صدقِ نیت ہی، "قال" جو کچھ ہو "حال" درست رہنا چاہئے یہاں تک کہ اگر بت پرستی میں بھی صفائے نیت ہے تو عالم الغیب والشہادہ کی بارگاہ میں اس کی بھی قدر ہوگی، اور بالآخر بت پرست کو راہِ ہدایت نصیب ہو کر رہیگی شیخ فرماتے ہیں کہ ایک شب کو جبرئیلؑ اپنے مقام سدرۃ المنتہیٰ میں تھے کہ حضرت قدس سے لبیک کی آواز سنائی دی، سمجھے کہ کوئی خاص مقبول بندہ اس وقت مصروفِ ذکر و عبادت ہے، اور اس کی پذیرائی ہو رہی ہے، دل میں شوق پیدا ہوا اُس مقبولِ بارگاہ سے واقفیت پیدا کرنا چاہئے، چشم زدن میں ہفت افلاک کا گشت لگا ڈالا، اس کا پتہ نہ چلا، کرۂ ارض کی جانب رخ کیا، اور صحرا و کوہستان کا چپہ چپہ چھان ڈالا، پھر بھی پتہ نہ چلا، اپنے مقام پر واپس آئے دیکھا کہ حضرت قدس سے صدائے لبیک برابر جاری ہی ہے، تلاش از سرِ نو جاری کی، اور ساری کائنات کا ایک بار پھر جائزہ لیا، اب کی بار پھر ناکام رہے، اس وقت عاجز آکر بارگاہِ اعلیٰ میں التماس کی، حکم ہوا، کہ ملک روم میں جاکر تلاش کرو، یہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ایک شخص ایک بت کے سامنے اس کی عبادت کر رہا ہے، جبرئیل یہ ماجرا دیکھکر حیران رہ گئے، اور عرض کی کہ "پروردگارِ عالم، یہ کیا راز ہے کہ ایک شخص صریحاً بت پرستی کر رہا ہے، اور اس پر یہ رحمت ہو رہی ہے" جواب سنئے،

حق تعالیٰ گفت ہست او دل سیاہ | زاں نہ می داند غلط کردست راہ

از نیازش خوش ہمی آید مرا　　زیں نشاں دادن ہمی یا بدمرا

گرز عجلت رہ غلط کرد آں سقط　　منکہ می دانم نہ کردم رہ غلط

ہم کنوں راہش وہم تابش گاہ　　لطفِ او خواہد شد او راعذر خواہ

یعنی ہم تو اس کے خلوصِ قلب کو دیکھ رہے ہیں، وہ اس وقت گمراہ ہے تو کیا ہوا نیت تو اسکی خالص ہے، اور اس کا انعام ہم ابھی یہ دیتے ہیں کہ وہ راہِ ہدایت پہ آیا جاتا ہے، چنانچہ ؎

ایں بگفت وراہِ جانش برکشاد　　درخدا گفتن زبانش برکشاد

معاً اس کا قلب روشن ہوگیا، چشم زدن میں مراتبِ کشود کار طے ہوگئے، اور شرک و بت پرست بات کہتے محدث و خدا پرست ہوگیا،

شیخؒ کے نظامِ عمل میں سب سے بلند و مقدم مرتبہ اتباعِ احکامِ الٰہی کا ہے ایک مرغ (روح) کی زبان سے سوال ہوتا ہے، کہ "امتثالِ امر و فرمانِ ربی کی بابتہ کیا ارشاد ہے؟ مجھے اختیار و انکار سے سروکار نہیں، میں محض اتباعِ امر کرنا چاہتا ہوں،، ؎

دیگرے پرسید از وکہ رہنمائے　　چوں بو دگر امر می آرم بجائے

من نہ دارم با قبول در دکار　　می کشم فرمانِ او در انتظار

ہدہد (پیغمبرِ حق) کی طرف سے جواب ملتا ہے، کہ اس سے بلند تر کوئی بھی مرتبہ نہیں یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ و افضل ہے، ایک ساعت کی طاعت جو بہ امتثالِ امر ہو ساری عمر کی طاعت گذاریوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے، جو اپنی مرضی و ارادے

۱؎ ص ، ۷ ، ۹

کے مطابق ہوں ؎

گفت نکو کردی اے مرغ سوال | مرد را زیں بیشتر نبود کمال
کے بری جاں گر تو آنجا جاں بری | جاں بری تو گر بہ جاں فرماں بری
ہر کہ فرماں برد از خذلاں برست | از ہمہ دشوارہا آساں برست
طاعتے با مر گرِ یک ساعت است | بہتر از بے امر عمر طاعت ست

انسان بندہ ہے اس کا کمال یہ ہے کہ بندگی میں کمال پیدا کر دکھائے ؎

بندگی ہیں باشد و دیگر ہوس | بندگی افگندگی است ہیچ کس
تو خدائی می کنی نے بندگی | کے شود ممکن ترا افگندگی

مقبولیت و برگزیدگی کا ادعا آسان ہے لیکن اس کا معیار بھی کمالِ عبودیت وافگندگی ہے ؎

بندہ آں بود کہ از وے گزاف | میزند در بندگی پیوستہ لاف
بندہ وقت امتحاں آید پدید | امتحان حق تا نشاں آید پدید

[illegible]

باب (۸)

لوائح

(ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ)

ملا جامی کا زمانۂ وفات نویں صدی ہجری کے اختتام کا ہے، اس لئے انھیں دور متوسطین کی آخری یادگار کہہ سکتے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے، کہ تصوف ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کرچکا تھا، اور اسلام کی سادی تعلیم میں فلسفہ و مذاہب غیر کی آمیزش اچھی طرح ہوچکی تھی، لوائح ان کی نہایت مشہور، مقبول و مستند تصنیف ہے، یہ مثل قدماء کی تصانیف کے فن سلوک کے علم و عمل پر کوئی جامع و مبسوط رسالہ نہیں بلکہ فلسفۂ تصوف سے متعلق چند نکات و اشارات کا مجموعہ ہے، تاہم اس فلسفیانہ رسالہ پر بھی نظر کرنے سے معلوم ہوگا، کہ مسلک توحید کی اہمیت ملا جامی کی نگاہ میں تمام فرعی مسائل سے کس قدر بڑھی ہوئی تھی، وحدت وجود وغیرہ کے مباحث اگرچہ پوری قوت کے ساتھ پھیل چکے تھے، تاہم یہ مسائل شریعت اسلام کے محکوم تھے حاکم نہ تھے، اور آج کل کے رسوم کا تو ان کے ہاں کہیں پتہ نہیں،

(۱) مصنف

اسم گرامی، عام تذکروں کی روایت کے مطابق، نورالدین عبدالرحمٰن ہے، صاحب سفینۃ الاولیار کا بیان ہے، کہ اصل نام عمادالدین تھا، اسم مشہور نورالدین ہوگیا، والد کا نام ایک روایت کے بموجب احمد بن محمد دشتی[1] اور دوسری کے مطابق نظام الدین احمد دشتی تھا[2]، دشت اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

مولد قصبہ جام ہے کچھ اس مناسبت سے اور کچھ اس لحاظ سے کہ شیخ الاسلام احمد جامؒ کی عقیدت کا جام نوش فرمایا، اپنا تخلص جامی قرار دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

مولدم جام و رشحۂ قلمم | جرعۂ جام شیخ اسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار | بدو معنی تخلصم جامی است

تخلص اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اصل نام کو بھول گئے، عام زبانوں پر صرف جامیؒ یا ملا جامیؒ رہگیا،

تاریخ ولادت بالاتفاق ۲۳ر شعبان ۸۱۷ھ (مطابق ۷ر نومبر ۱۴۱۴ء) ہے اور تاریخ وفات بروایت قوی ۱۸ر محرم ۸۹۸ھ (۹ر نومبر ۱۴۹۲ء) ہے[3]، ایک ضعیف روایت ۸۹۹ھ کے متعلق بھی ہے[4]، وفات شہر ہرات میں ہوئی،

بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سعدالدین کاشغری سے تھی، زمانۂ طفولیت میں جب پورے پانچ کا بھی سن نہ تھا، خواجہ محمد پارسا کی زیارت سے مشرف ہوئے،

---

[1] سفینۃ الاولیا، ص ۱۰۲، [2] مفتاح التواریخ، مرتبہ مسٹر بیل، ص ۱۳۱ (نولکشور، لکھنؤ)

[3] سفینۃ الاولیا، وغیرہ، [4] مفتاح التواریخ،

طریقِ روحانیت کی تخم ریزی اسی وقت سے قلب میں ہوگئی، پینسٹھ سال کی عمر میں جب نفحات الانس کی تالیف میں مشغول ہوئے ہیں اس واقعہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ قلم سے بجائے سیاہی کے عقیدت کے قطرات ٹپکتے ہیں، جمادی الآخر ۸۲۲ھ کے آغاز یا جمادی الاول کے آخر میں خواجہ موصوف جام سے گذر رہے تھے خلقت انبوہ در انبوہ نذرِ اخلاص وعقیدت پیش کرنے حاضرِ خدمت ہورہی تھی، مولانا جامی کے والد نے اس خرد سال بچہ کو خواجہ کی پالکی میں لاکر بٹھادیا، خواجہ نے التفاتِ خاص فرمایا، اور ایک سیر مصری عنایت کی، اس واقعہ کو قلمبند کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

در امروز آں شصت سال است کہ ہنوز صفائی طلعت منور ایشاں در دلِ من دہما تا کہ رابطۂ اخلاص و اعتقاد و ارادت و محبتے کہ ایں فقیر را نسبت بہ خاندانِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم واقع است ببرکتِ نظرِ ایشاں بودہ باشد، و امید میدارم کہ بہ یمن ہمیں رابطہ در زمرۂ محباں و مخلصانِ ایشاں محشور گردم[1]"

مگر سب سے زیادہ اختصاص وارتباط شاید خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے ساتھ تھا جن کا تذکرہ نفحات اور اپنی دوسری تصانیف میں کمالِ عقیدت و تفصیل کے ساتھ کیا ہے،

علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی، اساتذہ میں ملا جنید، خواجہ علی سمرقندی و قاضی روم سمرقندی کے اسمار قابلِ ذکر ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جس غیر معمولی ذکاوت، قوتِ حافظہ، وجودتِ ذہن کا اظہار ہوتا تھا، اس کے حیرت انگیز واقعات سے تذکرہ لبریز ہیں، مزاج میں ظرافت وشوخی بھی بہت تھی جس کا ثبوت بہارستان کے سدا بہار صفحات میں ملتا ہے، بہ قول صاحب سفینۃ الاولیاء،

---

[1] نفحات الانس، ص ۴۴۱، ۱۸۵۸ء (مطبوعہ کلکتہ)

"حضرت مولانا را فہم و طبیعے کہ بود، بالا تر ازاں نباشد، و بسیار خوش خلق و خوش تکلم و شگفتہ بودند، و مطایبہائے لطیف میفرمودند"

تصانیف کی تعداد ۴۴ ہے، جو لفظ جام کے ہم عدد ہے، زیادہ مشہور تصانیف یوسف و زلیخا، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، نفحات الانس، شواہد النبوۃ، لوائح، بہارستان، و کلیات ہیں،

مرید سلسلہ نقشبندیہ میں تھے، تاہم طبیعت پر ذوق و وجد غالب تھا،

"ہمیشہ در ذوق و وجدی بودہ اند" (سفینۃ الاولیار)

غالباً اسی لئے سماع سے بھی محترز نہ تھے، نظم کی ہر صنف پر یکساں قادر تھے، مثنوی، غزل، قصیدہ، مدح، مناقب، معرفت، توحید ہر صنف اور ہر مضمون کے مالک تھے، سب سے بڑھا چڑھا رنگ نعت کا تھا، فارسی نعت گوئی میں آج تک ان کا جواب نہ پیدا ہو سکا،

مرتبہ کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ خود ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ شہباز ہمارے جنگل میں آکر پھنسا ہے، خواجہ عبید اللہ احرارؒ از راہ تعظیم اپنے خطوط کو لفظ "عرض داشت" سے تعبیر کرتے تھے، اور اکثر فرماتے تھے، کہ خراساں میں آفتاب موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر ماوراء النہر کے چراغ یعنی خود خواجہ موصوفؒ کے پاس کیوں آتے ہیں، گویا ملا جامیؒ اور اپنے درمیان آفتاب اور چراغ کی نسبت قرار دیتے تھے،

اخفائے احوال و کرامات میں خاص اہتمام تھا، جہاں تک بس چلتا کسی پر اپنے مرتبہ کمال کو نہ ظاہر ہونے دیتے، باایں ہمہ مرجع خلائق تھے،

---

[1] سفینۃ الاولیار [2] ایضاً

"مقبول عالم و مقتدائے ماوراءالنہر و خراسان و پیشوای زمان بوده اند و سلطان حسن بایقرا بکمال عقیدت و نیازمندی بخدمت ایشان بود" (سفینہ)

سلطان و امراء کی عقیدت مندیوں کے مرکز تھے،

"در عہد سلطان ابوسعید بہ خداشناسی و خداپرستی شہرت یافتہ مقبول خاص و عام گشت، و در عہد سلطان حسین بایقرا بیشتر از بیشتر قبول یافت، و امیر علی شیر غاشیۂ انقیاد او بر دوش جان می داشت"[۱]

خانہ کعبہ کی زیارت کو گئے، تو آمد و رفت کے دونوں مواقع پر قبول عام نے قدم قدم پر استقبال کیا، ایک مرتبہ دمشق میں مقیم تھے، کہ سلطان روم کا قاصد پانچ ہزار اشرفیوں کی نذر کے ساتھ یہ درخواست لیکر پہونچا کہ قسطنطنیہ بھی شرف قدوم سے مشرف ہو جائے، مولانا یہ خبر قاصد کے ورود سے پیشتر پاکر تبریز چل کھڑے ہوئے تھے، وہاں حسن بیگ، حاکم کردستان کی نیازمندیاں زنجیر پا ہونے لگیں، بہ دشواری تمام اجازت لیکر خراسان پہونچے، یہاں پہونچے تو یہاں بھی نذرانوں کے انبار نے خیر مقدم کیا،

(۲)

تصنیف

لائحہ کے لفظی معنی "شعاع درخشاں" کے ہیں، (مجازاً تختۂ عمل یا روزنامچہ) لوائح اس کی جمع ہے، لوائح جامی چند لائحوں کا مجموعہ ہے، جن کی کل تعداد

[۱] مفتاح التواریخ،

مہ۳۲ ہے، زمانۂ تالیف وہ ہے جب یونانی فلسفہ کو مسلمانوں میں رائج ہوئے کئی سو سال ہو چکے ہیں، اشراقیت، مشائیت، وحدت وجود، تناسخ ارواح، عقل اول، ہیولیٰ وغیرہ کے عقائد و مسائل حکمائے یونان، مصر، ہندوستان و ایران کے اثر سے ممالک اسلامیہ میں گھر گھر پھیل چکے ہیں، خود مسلمانوں میں فارابی، ابن سینا، ابن رشد جیسے بیسیوں حکما و فلاسفہ پیدا ہو چکے ہیں، اور ان کی تعلیمات سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے،

اسلامی تصوف بھی اب خالص اسلامی تصوف نہیں رہا ہے، ذوالنون مصری رح جنید بغدادی رح کا تصوف صحابۂ کرام رض کی تقلید تھی، ان کے عقائد و اعمال، ابوبکر رض و علی رض کے عقائد و اعمال تھے، اب شیخ محی الدین بن عربی رح اور ان کے تلامذہ کے اثر سے تصوف بھی ایک فلسفہ بن چکا ہے، اور اکابر طریقت کی خانقاہیں، ایسے عقائد و اعمال کی مسکن بن چکی ہیں، جن سے صحابۂ کرام رض کی مقدس زندگیاں یکسر ناآشنا تھیں،

ملا جامی رح اسی فضا میں آنکھیں کھولتے ہیں، اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اور اسی غذا سے نشو و نما حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے قلم کو گردش دیتے ہیں، وحدت الوجود کے فلسفہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، شیخ ابن عربی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، باایں‌ہمہ

سلہ یہ تعداد نسخۂ مطبوعہ نولکشور پریس کے مطابق درج کی گئی ہے، لنڈن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے زیر اہتمام جو نسخہ (ایک قدیم قلمی نسخہ کی مطابقت میں) شایع ہوا ہے، اس میں کل تعداد ۲۰۰ ہے، راقم سطور کے نزدیک لنڈنی نسخہ میں لایحوں پر نمبر لگانے اور ان کے شمار کرنے میں انگریزی مرتب و مترجم سے سہو ہوا ہے، اصل تعداد لائحوں کی اس نسخہ میں ۳۲ ہوتی ہے، دو کا فرق بھی رہجاتا ہے، بعض اور اختلافات بھی لکھنوی اور لندنی نسخوں کے درمیان ہیں، میں نے عموماً اول الذکر کا تتبع کیا ہے،

جادۂ شریعت سے ایک انچ قدم باہر نہیں رکھتے، اور مسلک توحید پر اس شدومد سے قائم ہیں کہ اثنائے سفر میں اس سے ایک ذرہ نہیں ہٹتے۔ توحید باری اور اس کے مسائل متعلقہ کو مختلف پیرایوں میں اور مختلف تفصیلات کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں۔ اندازِ بیان، موضوع کے انتہا سے زائد دقیق و نازک ہونے کے باوجود اس درجہ پُرلطف ہے، کہ پڑھنے والے پر پڑھتے پڑھتے ایک ہنگامی کیفیت تو فنائیت کی طاری سی ہوجاتی ہے۔

آغازِ کلام میں زبانِ قلم یوں زمزمہ سنجِ حمد ہوتی ہے:-

"خداوندا سپاسِ تو بزبان نمی آریم، و ستایشِ تو بر توئی شماریم، ہر چہ از صحائف کائنات از جنسِ اثنیہ و محامد است ہمہ بہ جنابِ عظمت و کبریائی تو عاید است، از دست و زبانِ ما چہ آید کہ سپاس و ستایشِ ترا شاید، تو چنانی کہ خود گفتۂ و گوہرِ ثنائے تو آن ست کہ خود سفتۂ" ؎

آنجا کہ کمالِ کبریائی تو بود عالم نمے از بحرِ عطائے تو بود
ما را چہ حد حمد و ثنائے تو بود خود حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

مناجات و طلبِ توفیق میں متعدد رباعیاں کہی ہیں:-

(۱) یارب دلِ پاک و جانِ آگاہم دہ آہِ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
در راہِ خود اول ز خودم بیخود کن آنگہ بیخود ز خود بخود راہم دہ

(۲) یارب ہمہ خلق را بہ من بدخو کن وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دلِ من صرف کن از ہر جہتے وز عشقِ خودم یکجہت و یکرو کن

تمہید و مطالب و اغراضِ تالیف کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

این رسالہ ایست مسمّٰی بہ لوایح در یہ رسالہ مسمّٰی بہ لوائح ہے، اس میں ان معانی

بیانِ معارف و معانی کہ برالواحِ اسرار واردات اربابِ عرفان و اصحابِ ذوق و وجدان لائحہ گشتہ بہ عبارات لایقہ و اشارات رایقہ متوقع کہ وجود مقصدے ایں بیان را درمیان نہ بیند، و بر بساطِ اعراض و سماط اعتراض نہ نشیند چہ اورا دریں گفتگو نصیبے جز منصب ترجمانی نے، و بہرۂ غیر از شیوۂ سخن رانی نے ؎

ومعارف کا بیان ہے جوارباب عرفان اور اصحابِ ذوق و وجدان کے قلوب واررواح پر روشن ہوئے، اور جنھیں یہاں الفاظ مناسب و اشاراتِ دلکش کے ساتھ قلمبند کیا گیا، امید ہے کہ پڑھنے والے ان بیانات کے شارح (یعنی خود حضرت جامیؒ) کی شخصیت کا خیال درمیان میں نہ لائیں گے، اور اعتراض و نکتہ چینی سے محترز رہیں گے اس لئے کہ مصنف کا منصب اس کتاب میں محض ترجمانی کا ہے، اسکی حیثیت ایک آلہ سے زائد مطلق نہیں

من ہیچم وکم زہیچ ہم بسیارے
میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی کمتر ہوں،

از ہیچ وکم از ہیچ نیاید کارے
ایسے ہیچ اور کمتر از ہیچ سے ہو ہی کیا سکتا ہے،

ہر سر کہ ز اسرار حقیقت گویم
یہ جو اسرار حقیقت میں بیان کر رہا ہوں

زانم نہ بود بہرہ بجز گفتارے
ان کا صرف ناقل و ترجمان ہی ہوں اس سے زائد کچھ نہیں

(۱) لائحۂ اول اس بیان میں ہے کہ عالم و مافی العالم سے قطع نظر کرکے بہ کمال یکسوئی خدا ہی کی جانب متوجہ رہنا چاہیے؛

ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ، حضرت بیچون کہ ترا نعمت ہستی دادہ است در درون تو جز یک دل ننہادہ است تا در محبت او یک رو باشی و یک دل و از غیر او معرض و برو مقبل، نہ آنکہ یک دل را بصد پارہ کنی و ہر پارہ در پے مقصدے آوارہ ؎

اے آنکہ بہ قبلۂ بتاں روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا

دل در پۓ این و آں نہ نکوست ترا — یک دل داری بس ست یک دوست ترا

(۲) لائحہ دوم میں اس حقیقت کا بیان ہے، کہ مخلوقات سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی و انتشار کا باعث ہوتا ہے، اگر صرف خالقِ واحد و یکتا سے لو لگی رہے، تو جمعیت و یکسوئیِ خاطر تمام تر میسر رہے،

"تفرقہ عبارت از آن ست کہ دل را بواسطۂ تعلق با مور متعددہ پراگندہ سازی وجمعیت آنکہ از ہمہ بہ مشاہدۂ واحد پردازی جمعے گمان بروند، کہ جمعیت در جمع اسباب است در تفرقہ ابد ماندند، و فرقۂ بہ یقین دانستند کہ جمع اسباب از اسباب تفرقہ ست از ہمہ افشاندند" ے

اے سالکِ رہ سخن زہر باب مگوے — جز راہِ اصولِ رب ارباب مپوے
چوں علتِ تفرقہ است اسبابِ جہاں — جمعیتِ دل زجمعِ اسباب مجوے

(۳) لائحہ سوم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے، اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگراں،

حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ہمہ جا حاضر است	بس کیسے افسوس کی بات ہو تو اس کے دیدار کو
ودر ہمہ حال بظاہر و باطن و ناظر ہے	چھوڑ کر دوسروں کی جانب نظر رکھتا ہے، اور
خسارت کہ تو دیدہ از لقاے او بر داشتہ	اس کی خوشنودی کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے کی
سوے دیگری نگری و طریق رضاے او	راہ قطع کر رہا ہے،

بگذاشتہ راہ دیگری سپری، ے

با یار بہ گلزار شدم رہگذری	میں (عاشق) ایکدن اپنے معشوق کے ساتھ سیر گلشن کو گیا،
بر گل نظرے فگندم از بیخبری	اور وہاں پہونچ کر اپنی حماقت سے پھولوں کو دیکھنے لگا،

دلدار بہ طعنہ گفت شرمت بادا — اس نے چڑھ کر مجھ سے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ یہاں موجود

رخسارِ من اینجاست تو در گل نگری — ہوں اور میرے رخساروں کو چھوڑ کر تو پھول پر نگاہ ڈال رہا ہے"

(۴) لائحہ چہارم کا خلاصہ یہ ہے، کہ ماسوائے حق، جو کچھ ہے زوال پذیر و فانی ہے، باقی صرف ذاتِ حق ہے، اس کے سوا ساری امیدیں اور آرزوئیں لغو و موہوم ہیں؛

(۵) لائحہ پنجم، کائنات کی ساری جلوہ آرائیاں اسی جمیل علی الاطلاق کا پرتو ہیں، دنیا میں اگر کوئی دانا ہے، تو اس پر اسی کی دانائی کا پرتو ہے، اگر کوئی بینا ہے، تو اسی کے عکس سے یہ سارے شئون و مظاہر اسی کے ہیں، جس نے اوجِ کلیت و اطلاق سے نزل کرکے اپنی تجلیات کو جزئیت و تقید میں رونما کیا ہے،

(۶) لائحہ ششم میں انسان کی حقیقت بیان کی ہے، کہ اگرچہ

آدمی اگرچہ بہ سبب جسمانیت درغایت — وہ بہ لحاظ جسمانیت نہایت کثافت میں ہے لیکن

کثافت است اما بہ حسب روحانیت درنہایت — بہ اعتبار روحانیت انتہائے لطافت میں بھی ہے، اب

لطافت بہر چہ روے آرد حکم آں گیرد وبہر چہ — وہ جس طرف توجہ اختیار کرے، وہی رنگ اس پر

توجہ کند رنگِ آں پزیرد پس می باید کہ بہ — چھا جائیگا .... پس اے طالب،

کوشی وخود را از نظرِ خود بپوشی و بر ذاتی — تجھے لازم ہے، کہ اپنے تئیں خود اپنے سے مخفی کر اور

اقبال کنی بہ حقیقی اشتغال نمائی، کہ درجات — جو ہستی ذاتی و حقیقی ہے، اسی کی جانب متوجہ و مشغول

موجودات ہمہ مجالی جمال اویند و مراتب — ہو جا، اس لئے کہ موجودات کے جس قدر بھی اقسام

کائنات مرائی کمال او و بریں نسبت — ہیں وہ سب اسی کے جمال کی تجلیات ہیں، اور کائنات

چنداں مداومت نمای کہ باجان تو در — کے جس قدر بھی اجزا ہیں سب اسی کے کمال کا

آمیزد و ہستی تو از نظرِ تو برخیزد واگر بہ خود — آئینہ، اور اپنی اس نسبت کو مشق و ریاضت سے

بہ اُو آوردہ باشی، و چوں از خود تعبیر کنی، تعبیر از وے کردہ باشی، مقید مطلق شود و انا الحق ہو الحق،	اس درجہ تک پہونچا دے، کہ وہ ہستی حقیقی تجھ میں مدغم ہو جائے، اور خود تیری ہستی تیری نظروں سے غائب ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تو اپنا خیال کرے تو عین اسی کا خیال کرے، اگر تو اپنا ذکر کرے تو عین اسی کا ذکر کرے، اور اسی طرح مقید مطلق ہو جائے، اور انا الحق ہو الحق کے حکم میں داخل ہو جائے،

(۷) لائحہ ہفتم، یہاں سے عملی طریقوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے، اس لائحہ میں یہ تعلیم ہے کہ ذکرِ الٰہی و نسبتِ حق سے کوئی حالت اور وقت کا کوئی لمحہ خالی نہ گذرنا چاہیے،

"ورزش ایں نسبت شریفہ می باید کرد، بر وجہے کہ ہیچ وقتے از اوقات و ہیچ حالتے از حالات ازاں نسبت خالی نہ باشی، چہ در آمدن، و چہ در خوردن و خفتن، و چہ در شنیدن و گفتن، و بالجملہ در جمیع حرکات و سکنات حاضر وقت می باید بود، تا بہ بطالت نہ گزرد"

(۸) لائحہ ہشتم، جس طرح اوقات کو تمام تر ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا چاہیے، اسی طرح کوشش بلیغ کر کے قلب کو بھی تعلقاتِ دنیوی سے منقطع کرتے رہنا چاہیے،

(۹) لائحہ نہم، فنا اور فنائے فنا کی تعریف بیان کرتے ہیں،

"فنا عبارت از آن ست کہ بہ واسطۂ استیلائے ظہور ہستی حق بر باطن بما سوائے او شعور نماند، و فنائے فنا آں کہ بہ آں بے شعوری ہم شعور نماند و پوشیدہ نباشد کہ فنائے فنا در فنا مندرج است زیرا کہ صاحبِ فنا را اگر بہ فنائے خود شعور باشد، صاحبِ فنا نباشد، بہ جہت آنکہ صفت و موصوف آں از قبیل ما سوائے حق اند سبحانہ و تعالیٰ پس شعور با آں منافی فنا باشد"

(۱۰) لائحہ دہم، توحید کی تعریف بیان کی ہے، کہ وہ ماسوائے حق سے دل کے ہر قسم اور ہر نوعیت کے،

توحید یگانہ گردانیدن دل ست یعنی تخلیص — ترکِ تعلق وقطع وابستگی کا نام ہے جو طلب، وارادت
وتجرید از تعلق بما سوائے حق ہم از روے — علم ومعرفت سب پر شامل ہے،
طلب وارادت وہم از جہتِ علم ومعرفت

(۱۱) لائحہ یازدہم، جس وقت تک انسان پر خواہشاتِ نفس غالب ہیں، اس نسبت کو ہر وقت ملحوظ رکھنا محال ہو، جوں جوں علایق کی بیڑیاں اس کے پیر سے کٹتی جائینگی مجاہدات وریاضات میں لطف آنے لگے گا،

(۱۲) لائحہ دوازدہم، جوں جوں مجاہدات میں لطف بڑھتا جائیگا انسان اس نسبت کی تقویت وتربیت میں قدرۃً زیادہ مصروف ہوتا جائیگا،

(۱۳) لائحہ سیزدہم، حقیقتِ حق تعالیٰ میں ہے،

"حقیقتِ حق سبحانہ وتعالیٰ جز ہستی نیست، وہستی اورا انحطاط وپستی نے مقدس است از سمتِ تغیر وتبدل، ومبرا است از وصمت تکثر وتحویل، از ہمہ نشانہا بے نشان نہ در علم گنجد ونہ درعیاں"

(۱۴) لائحہ چہار دہم، لفظ وجود کے معانی بیان کئے ہیں، ایک تحقق وحصول اور اور یہ اصطلاح حکما، ومتکلمین میں ہے، دوسرے حقیقتِ قائم بالذات، یہ اصطلاح اہل عرفاں وصوفیہ، اور اسی معنی میں یہ لفظ ذاتِ حق کے مرادف ہے،

(۱۵) لائحہ پانزدہم، صفات ایک معنی میں غیر ذات ہیں، اور ایک معنی میں عین ذات ہیں۔

"صفات غیر ذات اند من حیث المفہوم المعقول، وعین ذات اند من حیث التحقیق والحصول، مثلاً عالم ذات ست بہ اعتبار صفت علم وقادر بہ اعتبار قدرت و مرید بہ اعتبار ارادت، وشک نیست کہ اینہا چنانکہ بہ حسب مفہوم با یکدیگر متغائر اند مر ذات را نیز متغائر اند اما بحسب تحقق وہستی عین ذات اند کہ آنجا وجودات متعدد نیست بلکہ وجودیست واحد"

(۱۶) لائحہ شانزدہم، ذاتِ من حیث ذات تمام اسمار وصفات واضافات سے معری ہے، لیکن اپنے ظہور وشہود میں ان سب سے متصف ہوتی جاتی ہے، اور جوں جوں تجلیات میں کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اتصاف بھی بڑھتا جاتا ہے،

(۱۷) لائحہ ہفتدہم، یہ لائحہ بہت مفصل ہے، اسمیں مراتب تعینات اور ذات واحد کے غنائے مطلق پر دقیق پیرایہ میں گفتگو کی ہے، خاتمہ کے چند اشعار سننے کے قابل ہیں،

(۱) داماں غنائے عشق پاک آمد پاک — زآلودگی وجود ماشتی خاک

چوں جلوہ گر و نظارہ گر جملہ خودست — گر ما و تو در میاں نباشیم چہ باک

(۲) واجب ز وجود دنیک و بد مستغنی ست — واحد ز مراتب عدد مستغنی ست

درخود ہمہ را چو جاوداں می بیند — از دیدن شاں بروں خود مستغنی ست

(۱۸) لائحہ ہیزدہم، ہر نوع حیوانی کے افراد کے تشخصات وتعینات کو اگر رفع کر کے دیکھا جائے، تو تمام افراد کے لئے اسم مشترک اِس نوع حیوانی کا نکلے گا، انواع حیوانی کے ممیزات کو اگر دور کیا جائے تو سب کے لئے اسم مشترک حیوان نکلے گا، حیوانات وجسم نامی کے دوسرے انواع کے ممیزات کو دور کر دیا جائے، تو جسم نامی باقی رہجائیگا جسم نامی و دیگر انواع جسم کے ممیزات کو الگ کر دیا جائے تو حقیقت جسم باقی رہجائیگی جسم و دیگر انواع جوہر کے ممیزات کو اگر رفع کر دیا جائے، تو جوہر

باقی رہے گا جوہر واعراض کے میزات کو اگر حذف کر دیا جائے، تو اسم مشترک ممکن نکلے گا ممکن و واجب کے میزات کو بھی اگر حذف کر دیا جائے، تو سب سے آخر میں وجود مطلق باقی رہجائیگا، اور یہی تمام ذوات وصفات کا منتہیٰ ہے، ؎

تا چند حدیث جسم و العباد وجہات — تا کے سخن معدن وحیوان و نبات
یک ذات فقط بود محقق نہ ذوات — ایں کثرت وہمی ز شیون ست وصفات

(۱۹) لائحہ نوزدہم، یہ شیون وتجلیات جو ذات واحد میں مندرج ہیں اُن کی وہ صورت نہیں ہوتی، جو کل میں جز کے ظرف میں مظروف کے، اندراج کی ہوتی ہے بلکہ وہ صورت ہوتی ہے، جو موصوف وملزوم میں اندراج اوصاف ولوازم کی ہوتی ہے، مثلاً ایک کے ہندسے میں اس کے نصف وثلث، وربع، وخمس وغیرہ کسرات الی غیر النہایۃ کا شمول واندراج ہے،

(۲۰) لائحہ بستم، وجود مطلق کی حقیقت بجائے خود بدستور اور غیر متغیر رہتی ہے، خواہ وہ اپنے ظہور کے لئے جو قالب اور شیون واعتبارات کے جو مظاہر اختیار کرے، نور آفتاب سے پاک وناپاک دونوں منور ہوتے ہیں، آفتاب خود پاک یا ناپاک کچھ بھی نہیں ہوتا،

(۲۱) لائحہ بست ویکم، عام قاعدہ یہ ہے کہ مطلق بغیر مقید کے نہیں رہتا، اور مقید

مطلق بے مقید نہ باشد ومقید بے مطلق — بغیر مطلق کے صورت نہیں اختیار کرتا، لیکن مقید محتاج
صورت نہ بندد، اما مقید محتاج است — ہوتا ہے مطلق کا، اور مطلق مستغنی ہے مقید سے
بہ مطلق، ومطلق مستغنی است از مقید پس — پس لزوم واستلزام تو دونوں جانب سے ہے لیکن
استلزام از طرفین ست واحتیاج از یکطرف — احتیاج صرف مقید کی جانب سے ہے،

(۲۲) لائحہ بست وسوم، اس کا ماحصل اس رباعی سے ظاہر ہوگا، ؎

ہم سایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست ... در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

در انجمنِ فرق و نہاں خانۂ جمع ... باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(۲۳) لائحہ بست وسوم، لیکن اگرچہ حقیقتِ وجود تمام مظاہر میں مشترک ہے پھر بھی مراتبِ شیون متفاوت ہیں، بعضہا فوق بعض اور ہر مرتبہ کے لئے الگ الگ اسماء و صفات و اعتبارات مخصوصہ ہیں، مرتبۂ الوہیت و ربوبیت کے اعتبارات اور ہیں، مرتبۂ عبودیت و خلقیت کے اور، سب کو متحد کر دینا عین کفر و زندقہ ہے ؎

اے بردہ گماں کہ صاحب تحقیقی ... واندر صفتِ صدق و یقیں صدیقی

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد ... گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

(۲۴) لائحہ بست وچہارم، موجود حقیقی جس کے مراتب بے شمار ہیں، جب اس پر انتہائی بے قیدی اور لاتعینی کے لحاظ سے نظر کیجائے تو اسے نہ کوئی عقل ادراک کر سکتی ہے، نہ کسی کشف کی رسائی اس تک ہو سکتی ہے، علم و عقل، کشف و عرفان سب اس مرتبۂ آخری کے ادراک سے عاجز ہیں، ؎

ہر چند کہ جاں عارف آگاہ بود ... کے در حرمِ قدس تواش راہ بود

دست ہمہ اہلِ کشف و اربابِ شہود ... از دامنِ ادراک تو کوتاہ بود

(۲۵) لائحہ بست و پنجم حقیقت الحقایق (ذات الٰہی) فی حد ذاتہ واحد ہے جسمیں شمار و عدد کا گزر نہیں، البتہ بہ لحاظ تجلیات کثیر و متعدد، عین وحدت کے لحاظ سے اسے حق سے موسوم کرتے ہیں، اور بہ لحاظ ظہور تعدد و خلق ہے، ظہور و بطون اولیت و آخریت سب اسی کے نسب و اعتبارات ہیں، اور یہی معنی ہیں آیۂ کریمہ

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن کے،

(۲۶) لائحہ بست وششم، اس میں شیخ ابن عربی رحؒ کے اس قول کی مفصل شرح بیان کی ہے، کہ عالم عبارت ہے، ان اغراض سے جو عین واحد میں، کہ حقیقت ہستی ہے، مجتمع ہوگئے ہیں، اور ان میں ہر لحظہ وہر آن تجدد و تبدل ہوا کرتا ہے جیسا آیۂ کریمہ سے مترشح ہوتا ہے، بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ.

(۲۷) لائحہ بست وہفتم اجمال وحدتِ حقیقی کے حق میں عظیم ترین حجاب اور کثیف ترین نقاب اس کے یہی تقیدات وتعینات ہیں جنمیں نظریں الجھ کر رہجاتی ہیں، لوگ موجوں کے کھیل تماشہ میں کچھ ایسے محو ہوجاتے ہیں، کہ سمندر کی موجودگی کا احساس ہی جاتا رہتا ہے ؎

بحرے ست وجود جاوداں موج زناں　　زاں بحر ندیدہ غیر موج اہلِ جہاں
از باطن بحر موج بین گشتہ عیاں　　بر ظاہر بحر بحر در موج نہاں

(۲۸) لائحہ بست وہشتم حقیقتِ ہستی اپنے جمیع شیون وصفات نسبت و اعتبارات کے ساتھ ہر موجود کی حقیقت میں شامل وساری ہے، شیخ محمود شبستریؒ صاحب گلشنِ راز اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں،

دلِ یک قطرہ را گر بر شگافی　　برو ں آید از و صد بحر صافی

(۲۹) لائحہ بست ونہم، جو افعال مظاہر سے صادق ہوتے رہتے ہیں اُن کے صدور کا انتساب ازروے صورت اِن مظاہر کی جانب صحیح ہے، لیکن نہ ازروے حقیقت کہ نفس الامر میں سب کا انتساب صرف اسی ذاتِ واحد کی جانب صحیح

ہو سکتا ہے، جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے، واللہ خلقکم وما تعلمون،

(۳۰) لائحہ سی ام، ہر امر وجودی بجائے خود خیر محض ہے، جن افعال میں شر و نقصان کا پہلو نکلتا ہے، وہ ان افعال وجودی کا بجائے خود نتیجہ نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے، کہ فلاں امر وجودی نے ایک دوسرے امر وجودی کو معدوم کر دیا،

"چوں صفات واحوال وافعال کہ در مظاہر ظاہر است فی الحقیقة مضاف بحق ظاہر در آں مظاہر است، پس اگر احیاناً در بعضے ازانہا شرے ونقصانے واقع باشد از جہت عدمیت امرے دیگر تواند بود، زیرا کہ وجود من حیث ہو وجود خیر محض است و از ہر امر وجودی کہ شرے متوہم میشود، بہ واسطۂ عدمیت امر وجودی دیگر است نہ بواسطۂ آں امر وجودی من حیث ہو امر وجودیؐ"

زید اگر بکر کو قتل کر ڈالتا ہے، تو یہ واقعہ اپنے اثباتی یا ایجابی پہلو یعنی زید کی قوت وقابلیتِ قتل کے لحاظ سے مذموم نہیں، بلکہ اپنے عدمی وسلبی پہلو یعنی اس لحاظ سے مذموم ہے کہ اس کے باعث بکر کی حیات مرتبۂ تکمیل تک نہ پہونچ سکی،

(۳۱) لائحہ سی ویکم، شیخ صدرالدین قونویؒ کے ایک قول کی شرح کی ہے، اور بتایا ہے کہ علم تابع ہے وجود کے، ہر حقیقت وجودی کے لئے ایک علم ہے، اور تفاوتِ حقائق وجود کے مناسب تفاوتِ علم بھی ہوتا رہتا ہے،

(۳۲) لائحہ سی ودوم، جس طرح حقیقتِ ہستی مطلق جمیع موجودات کی ذوات میں شامل ومندرج ہے، اسی طرح اس کے صفات بھی جمیع صفات موجودات میں جاری وساری ہیں،

(۳۳) لائحہ سی وسوم، اصل عبارت سننے کے قابل ہے،

"حقیقتِ ہستی ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ شیون ونِسب و اعتبارات آں صفات او و اظہار او مر خود ش را متلبسہ بھذہ النسب والاعتبارات فعل و تاثیر فعل تاثیر او تعینات ظاہرہ مرتبہ علی ھذہ الاظہار آثار او

(۴۴) لاکھ سی وچہارم حضرتِ حق کی دو تجلیات ہیں، ایک علمی غیبی جس کو صوفیہ فیضِ اقدس سے موسوم کرتے ہیں، دوسرے شہادی وجودی، جس کا اصطلاحی نام فیضِ مقدس ہے،

"دامنِ تجلی ثانی مترتب بر تجلیٔ اول ست و مظہر ست مر کمالاتے را کہ بہ تجلیٔ اول در قابلیات و استعدادات اعیان اندراج یافتہ بود"

ضمیمہ (۱)

"فقر محمدی"

پُرانے مشایخِ طریقت میں، ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ گذرے ہیں، جنکو شیخ عبدالحق دہلویؒ "عالم عامل" اور "عارفِ کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور شہادت دیتے ہیں، کہ،

از کبارِ مشایخِ دیارِ عرب بود و مقتدائے	عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور اپنے
روزگار، و در طریقِ اتباعِ سنت و تقویم	زمانہ کے پیشوا اور پیروی سنتِ رسولؐ، اور
و ترویجِ ایں طریقہ بے نظیرِ وقتِ خود بود	اس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ الفقر المحمدی کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا، اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدیؐ کے نام سے کردیا، جو ان کے مجموعۂ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شایع ہوا ہے، آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین، اور بہت سے دوست و موافقین، اس کو شریعتِ اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شاید اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو، ترجمہ لفظی نہیں، عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں، اور مضامین کی ترتیب بھی

میری ہی قائم کی ہوئی ہی،

تصوف کا اصل اصول اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے، جس کی جڑ مضبوط، اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلعم کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور انھیں کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہی جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جاکر گدلا ہوجاتا ہے، اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا،

اس مسلک کا انجام اس طریقۂ محمدؐی پر اگر قایم رہے، تو امید ہے کہ اگلوں سے جاملو جو پیغمبر خدا صلعم کے اصحاب میں سے تھے، اور قیامت کے روز پیمبرؐ کے جھنڈے کے نیچے پیمبرؐ و یارانِ پیمبرؐ کے ساتھ تمھارا حشر ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، لیکن تمھارے اوپر اس وقت تمھارے شیخ، یعنی حضور رسولِ خدا صلعم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا،

تصوف کے معنی، لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے، لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں، نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہی، اور نہ یہ خبر ہے، کہ اس کی انتہا کیا ہے، اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں، اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہوجائے تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اسی وقت ممکن ہے جب ممنوعات سے بچئے، اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہوئے،

لازمی شرطیں، اس رنگ میں ڈوبنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے، جس طرح، کہ جس اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیالِ گناہ سے

محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے،
فقیر ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضئ الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا
گذر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے کہ خدا کی دوستی کا دعوی کرکے
کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں، یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک
یہ قدرت نہ حاصل ہوسے، زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہیئے،

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے، اور دل کو خطرات اور وساوس
سے محفوظ کر لینے کے بعد، دوسری شرط فقیر کے لئے یہ ہے، کہ خدا کی طلب و
محبت دل پر اتنی غالب آجائے، اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر
مغلوب ہو جائے، کہ دنیا کے تمام فوائد و منافع، بالکل جل جائیں، اور ان کا
خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی و مطلوب اصلی کے لئے
مخصوص ہو جانا چاہیئے، اور ماسوی سے بالکل خالی ہو جانا چاہیئے، جب تک
یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے، فقیری کا دعوی کرنے سے شرمانا چاہیئے،

کاملین کا مرتبہ، اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں، جب دل
کو انھیں کے سننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں، تو کاملین کے
مرتبۂ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے، اور اس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے
کیجا سکتی ہے، صرف انؓ کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

جھوٹے مدعی، رونے کا مقام ہے، کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا
ہے، اور باطل میں مشغول رہتا ہے، جو ان لوگوں کو مل جائے، وہی ان کے
نزدیک حلال ہے، اور جو نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار

رہتی ہے، کہ لذیذ غذائیں کھانے کو، اور خوبصورت چہرے دیکھنے کو، اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں، اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں، اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں، اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے، ان لوگوں کو نہ حلاوتِ اسلام سے واسطہ، نہ لذتِ ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں، اور نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا ٹکریں مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور امیروں اور بادشاہوں کے ہاں کی آمد و رفت، اور ان سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انکے شر سے بچائے، کہ دنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھکر یہ دین کے رہزن ہیں، دنیا کا رہزن مال لیجاتا ہے، اور یہ دولتِ ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، عوام پر انکے لباسِ فقر کا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتے ہیں، کہ فقیری اسی کا نام ہے،

سچے فقیر کی علامات، محمدی فقیروں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اور اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے، کیسے غضب کی بات ہے، کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اسی کے کلام میں لطف نہ آئے، اس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے، تو شعر و قصیدہ پر گانے بجانے پر، اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن، اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لئے ساری لذت و حلاوت قرآن میں ہے، اور ان کے دلوں کی راحت و تسکین کا سامان اسی میں ہے، کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کے احکام و قصص

مواعظ و اخبار، وعد و وعید کو سنتے ہی اُن کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا ہے، اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے، کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے، اس لئے اشعار کو سنکر دل میں قدرتً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو و بے حقیقت ہے اس لئے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلتِ حیوانی کا تقاضا ہے چنانچہ حیوانات اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں، یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے، جنکے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے اور محبتِ الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے آنے والوں کا حال تھا، سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی، اور ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شے قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے،

عملی ہدایات:۔ صحیح تصوف، یا فقر محمدیؐ میں قدم رکھنے والے کے لئے عملی ہدایتوں میں سے پہلی شے یہ ہے:۔

"اپنے پروردگار کے سامنے، جس نے قرآن اور رسول صلعم جیسی پاک نعمتیں اتاری ہیں، صدقِ دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی میں جاکر، سب کی نظروں سے الگ وضو کر کے دو رکعتیں خشوعِ قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر، ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں اس وقت رو رو کے توبہ و استغفار کرنا، اور الفاظِ حدیث کے مطابق سید الاستغفار

پڑھنا۔ پھر طریق پیروی رسول صلعم پر قایم و مضبوط رہنے کے لئے توفیق چاہنا، اور آیندہ کیلئے مضبوط عہد کرنا کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو، تو نہ زبان کسی کی بدگوئی، جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو۔ نہ کان نے کوئی بیجا بات سنی ہو اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو جسکا دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق و مخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے،

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے، کہ نماز باجماعت، اپنے ارکان و آداب و حضور قلب وغیرہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ ادا کیجاے ایسی کہ حدیث میں جو لفظ ”احسان“ آیا ہے، اس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے، حال صحیح وہی ہے جو حالت نماز میں طاری ہو، بندہ اور پروردگار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والی شئے نماز ہے پس اگر نماز میں حضور قلب نہیں پیدا ہوتا، تو اسکا کوئی حال معتبر نہیں، اس لئے کہ جس بندہ کے حجابات، ایسی منزل قرب میں بھی پہونچ کر دور نہیں ہوئے، اس کے لئے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے، حیف ہے کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو، لیکن جو وقت عین حضوری حق کا ہوتا ہے، اسی وقت غائب ہو، ایسی فقیری فاسد، اور ایسی درویشی ناجائز۔

بنیادِ کار، سچے تصوف کی بنیاد، رسول کریم صلعم کے ساتھ محبت و ربط قلب پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو اُس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اسی کے نام پر بکثرت درود و صلوٰۃ بھیجا جائے، اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کر لیا جائے، تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کے دلوں میں، ان کے مرشدوں کی عظمت ایسی بیٹھ جاتی ہے، کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد

کا نام سنتے ہیں، تو بے چین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت، یہی نسبتِ قلب سچے درویش کو رسول کریم صلعم کی ذات گرامی کے ساتھ پیدا کر لینی چاہیئے، اپنا امام اور شیخ انھیں کو بنانا چاہیئے، دل میں خیال آئے تو انھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انھیں کی، کان لذت حاصل کریں تو انھیں کے نام مبارک سے عظمت کا احساس پیدا ہو تو انھیں کے ذکر سے، زبان انھیں پر درود بھیجنے میں لگی رہے، دل میں انھیں کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاقۂ محبت کو اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو انھیں کا، یاد ہو تو انھیں کی، پیروی ہو تو انھیں کی، ہر امر میں انھیں کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور ان کی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے، کہ ہر شخص دیکھتے ہی "محمدی" سمجھ لے،

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص، سطور بالا میں آگیا، شیخ عبدالحق دہلوی ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے ہیں، کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں، ؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجایش ہے ؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسول صلعم کی زبان سے یہ پیام دنیا کو پہونچا تھا، کہ غیر مسلم اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں، تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسول صلعم خاتم و برحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر آ کر جمع ہو جائیں، تو آپس کی رنجش و نقیض، رد و کد کے لئے کوئی گنجایش رہ جاتی ہے؟

ضمیمہ (۲)

مرشد کی تلاش

صوبۂ اودھ کے ایک قصبہ سے ایک صاحب کا ایک بہت طویل مراسلہ مہینوں سے آیا ہوا پڑا ہے، دوسرے مضامین کے ہجوم نے اب تک توجہ نہ کرنے دی۔ مراسلہ کا زیادہ حصہ حسب ذیل ہے :-

"مدت سے ایک ضمیری الجھن میں مبتلا ہوں، اور کوئی روحانی طبیب مجھے ملتا نہیں، بحیثیت مسلمان پیری مریدی سے متعلق آپ کے حقیقت آگیں خیالات سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں، خوش نصیبی یا بد نصیبی سے میرے خاندان میں دونوں شغل ہوتے ہیں، مجھے کسی اللہ والے سے نسبتِ ارادت حاصل نہیں، بہت گناہگار ہوں، مگر قلب و ضمیر کی حالت بحمد اللہ بہت کچھ قابلِ اطمینان ہے، ......

اسلامی نقطۂ نظر سے پیری مریدی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ملتِ مرحومہ کے لئے من حیث الاسلام یہ کہاں تک لازمی ہے؟ کیا قرنِ اول میں جو یقیناً اسلام کا عہدِ سعادت تھا، ایسی مثالیں ملتی ہیں؟ عہدِ نبوت و عہدِ صحابہؓ کے بعد دورِ تابعین میں بھی کیا پیری مریدی کی یہ کثرت اور ناخوش آیند بہتات تھی؟ تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کیا یہ بھی لازمی ہے کہ کسی رسمی پیر کی پیروی کیجائے؟

ایک مسلمان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پابند اللہ سے ڈرتا سچ بولتا، مشائخ کرام صلحائے امت کا ادب واحترام رکھتا ہو لیکن عرف عام میں مرید نہیں کیا عنداللہ وہ اس کا ذمہ دار ہے؟ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق، رشد وہدایت وغیرہ ہے، تو آج کل پیروں کی جماعت عموماً یہ خدمات کہاں تک انجام دے رہی ہے؟ پھر محترم علمائے امت کی موجودگی میں اس جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر صوفیائے کرام کی جماعت میں اگر کچھ صاحبان علم وعمل افراد ہیں بھی، تو ان میں ایسوں کا تو بالکل پتہ نہیں، جو بلاخوف لومۃ لائم اظہار حق میں بیباک ہوں......

صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ محفوظ ہیں، کیا ان سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہو، کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں ہونی چاہئیں، ایک دین کی رہنمائی کے لئے اور دوسری دنیا کی، یا یوں کہا جائے، کہ ایک مسلمانوں کے قلب وضمیر کی اصلاح کرے اور دوسری شریعت کے ظاہری احکام کی طرف رہنمائی؟ پھر اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن نہیں؟

جناب رسالتمآب صلعم کے ارشاد گرامی، من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ، کا کیا مفہوم ہے؟ امام سے مراد امیر امت، قائد عسکر، مرشد طریقت، امام جماعت، لیکن اول الذکر دو صورتوں میں ہندوستان کے سات کرور حلقہ بگوشانِ اسلام کے لئے صورت تشفی کیا ہو؟

مشائخ کرام سورۂ فتح کی آیہ کریمہ ان الذین یبایعونک الخ سے استدلال فرماتے ہیں اور بیعت طریقت کو لازمی بتاتے ہیں، کیا موجودہ بیعتوں کو کوئی نسبت اس بیعت سے ہے؟ اسلام میں بیعت کی مختلف صورتیں ہیں، متداول بیعتیں کس شق میں داخل ہیں؟

ایک بیعت اس خیال سے بھی کیجاتی ہو کہ چاہے تمام عمر کچھ بھی کرتے رہیں، لیکن اگر کسی سلسلہ میں داخل ہوگئے، تو ہمارے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے،.....

اب واقعی بیعت کی دو صورتیں رہ گئیں، کسی مسلمان کا اپنے گناہوں سے پشیمان ہونا اور کسی محترم شخصیت کے ہاتھ پر ترکِ گناہ کا عہد کرنا... ۔ مگر ظاہر ہے کہ آجکل یہ خیال سرے سے پیشِ نظر ہی نہیں، اب رہی دوسری صورت اور وہی یقیناً مبارک ہے، یعنی کسی مسلمان کو پورا پورا پابندِ شریعت اور متبعِ سنت پائے اور اس کے قدم بہ قدم چل کر اپنی دنیا و عاقبت سنوارے، لیکن جناب محترم مجھ سے کہیں زیادہ باخبر ہیں کہ آج مسلمان اس پر کہاں تک عامل ہیں...... جامعہ عثمانیہ کے ایک ممتاز فاضل سے تبادلۂ خیال کا اتفاق ہوا، ان کی تقریر کا ماحصل یہ نکلا، کہ مسلمان ان معاملات میں بھی دوسرے اقوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوئے، اور انھوں نے کچھ تاریخی شہادتوں سے استناد کیا،،

مراسلہ نویس کے دل میں جو خیالات اور سوالات پیدا ہوئے ہیں بہتوں کے ذہن انھیں الجھنوں میں مبتلا ہیں، اور سچ یہ ہے کہ جس سے وہ جوابات اور اپنی تشفی چاہتے ہیں، وہ خود بھی نہ ابھی تک کسی کا مرید ہے، اور نہ ان الجھنوں سے آزاد ہو چکا ہے، بیمار کے علاج کے لئے ضرورت طبیب کی ہے، نہ کہ کسی دوسرے بیمار کی، تاہم بعض پرانے مریض، طبیبوں کی باتیں سنتے سنتے خود بھی کچھ نیم طبیب ہو جاتے ہیں، اور گو خود بدستور بیمار چلے جاتے ہیں، لیکن اپنے ان تجربوں سے نئے مریضوں کی ایک گونہ ہمدردی و دلدہی کر سکتے ہیں،

سب سے پہلے ایک اہم حقیقت کو پیشِ نظر کرلینا چاہئے، جو اگرچہ بالکل صاف

واضح اور غیر اختلافی ہے، لیکن اکثر ذہن سے نکل جاتی ہے اور اسی کے نظر انداز ہو جانے سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ حقیقت یہ ہے کہ خالص دینی علوم بھی آج جن باآئین و باضابطہ صورتوں میں موجود ہیں، اور جو مصطلحات ان میں رائج ہیں، عہد رسالتماب صلعم میں ان میں سے کوئی شے بھی نہ تھی، اور اس خاص لحاظ سے یہ سب "بدعت" ہی ہیں، خود سنتِ رسول صلعم ہی کو لیجئے، آج فنِ احادیث و سنن ایک مستقل و مخصوص فن ہے جسمیں صدہا اصطلاحات ہیں جس کے اصول پر تصانیف کا ایک دفتر ہے، جس کی مختلف شاخیں اور شعبے ہیں، اور جس کے سیکھنے کے لئے برسوں کی محنت اور اساتذۂ کاملین کی ہدایت کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ عہد رسالت صلعم میں یہ کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلعم کی معمولی سادہ گفتگو کا نام "حدیث" اور روزانہ زندگی کا نام "سنت" تھا، باایں ہمہ محدثین کرام کی کاوشوں کو کوئی شخص بدعت، کہنے کی جرات نہیں کر سکتا، یہی حال ائمہ تفسیر کی نکتہ سنجیوں اور ائمہ فقہ کے قیاس، اجتہاد و استنباط کا ہے، لغوی معنی کے لحاظ سے یہ سب کچھ بدعت ہی ہے، لیکن اگر حقیقۃً بخاری و مسلم، ابو حنیفہ و مالک رحمۃ اللہ علیہم کی جانفشانیوں سے یکسر قطع نظر کر لیجائے، تو شریعت اسلام کے پاس باقی کیا رہجائیگا؟ خود صحیفۂ ربانی تک، اس ہئیت و ترتیب و تدوین کے ساتھ مکتوبی صورت میں، عہد رسالت میں کہیں یکجا موجود نہ تھا،

بات بالکل صاف اور موٹی ہے، لیکن ذہن انسانی کا خاصہ ہے، کہ اکثر سامنے کی چیزوں کو بالکل بھلائے رکھتا ہے، اور دور دور کی باریکیوں میں الجھنے لگتا ہے، غرض جو حال فقہ کا ہے، تفسیر کا ہے، حدیث کا ہے، ٹھیک وہی حال

تصوف وسلوک کا ہے، رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں نہ لفظ "تصوف" موجود تھا، نہ لفظ "صوفی" اور نہ "احوال" و "مقامات"، "اذکار" و "اشغال" کی وہ سیکڑوں دوسری اصطلاحیں جنہیں موجودہ تصوف بھرا پڑا ہوا ہے، "پیری" و "مریدی" کے الفاظ بھی اس زمانہ میں ناپید تھے پس جہاں تک لفظ و اصطلاح کا تعلق ہے، یہ دعوی بالکل درست ہے، کہ تصوف اور پیری مریدی بدعت ہے لیکن اس معنی میں خود فنِ حدیث بھی بدعت ہے، کہ رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں نہ کوئی فن اسماء الرجال تھا، نہ "جرح" و "تعدیل" کے اصول و قواعد مدون تھے، نہ "ضعیف" و "موضوع" کی اصطلاحیں وضع ہوئی تھیں، اور نہ کوئی دماغ "متواتر"، "صحیح"، "حسن" و "غریب" کی بحثوں سے آشنا ہوا تھا، لیکن لفظ و اصطلاح کی بحث سے گزر کر اگر اصل حقیقت تک پہونچنا مقصود ہے تو جس طرح ہر صحابی، بزمِ رسول صلعم کا ہر صحبت یافتہ، دربارِ رسول صلعم کا ہر حاضر باش، مفسر تھا، محدث تھا، اور فقیہ تھا، اسی طرح صوفی بھی تھا، اور بلا استثناء ہر صحابی مرید بھی تھا، سب کے پیر، مرشد کل، سرکار رسالت صلعم تھے،

کہا جاتا ہے کہ "تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کسی رسمی پیر کے مرید ہونے کی ضرورت کیا رہتی ہے؟" سارا مغالطہ سوال کے لفظ "رسمی" میں موجود ہے، "رسمی" تو کسی شے کی بھی ضرورت نہیں، نہ رسمی اسلام کی، نہ رسمی اتباعِ رسول صلعم کی، نہ رسمی تمسک بالکتاب کی لیکن حقیقی اسلام حقیقی ایمان، حقیقی تمسک بالکتاب والسنۃ بغیر کسی زندہ شخصیت کے توسط کے ممکن کیونکر ہے؟ اور اسی زندہ شخصیت کا اصطلاحی نام "پیر" ہے، "مرشد" ہے، "صاحبِ بیعت وارشاد" ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، حسنؓ و

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین سے بہتر فطری صلاحیت و استعداد کس میں موجود ہو سکتی ہے، پھر جب ان کے لئے ایک زندہ شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع ناگزیر رہا، تو اور کسی کو کب مفر ہو سکتا ہے؟ حدیث کی جن کتابوں کو ہم سرچشمۂ تقدیس سمجھ رہے ہیں، ان کے نقوش و حروف، ان کے کاغذ کی سفیدی اور الفاظ کی سیاہی میں کیا رکھا ہوا ہے، ان میں جو کچھ تقدس ہے، وہ سارے کا سارا اسی بنا پر تو ہے، کہ ان کے اندر کسی زندہ شخصیت کی روح کس حد تک محفوظ ہے، یہ روح مردہ کاغذ کے مردہ طوماروں میں تو محفوظ ہو جائے، اور زندہ انسان کے زندہ قلب میں نہ محفوظ ہو سکے! یہ روح الماریوں کے سفینوں میں تو منتقل ہو جائے، اور پاکوں اور پاکبازوں کے سینوں کو منوّر نہ کر سکے!

قرآن، رسولؐ کا تو کلام نہیں، اللہ ہی کا کلام ہے، اور بندوں کی ہدایت ہی کے لئے نازل ہوا ہے، یہ بھی ہم سب کا ایمان ہے، اور خود قرآن بار بار اس کا دعویٰ کرتا ہے، کہ اس میں ساری ضروری ہدایات تفصیل و تشریح کے ساتھ موجود ہیں، بایں ہمہ یہ نہ ہوا کہ قرآن براہ راست تمام بندوں کے پاس پہونچ جاتا، منکرین اور مومنین اسے آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے، کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا مل جاتا، یا ایک روز جب صبح ہوتی تو اس کا ایک ایک نسخہ ہر شخص کے سرہانے رکھا ہوا موجود ہوتا! اس طرح کی تو کوئی چیز بھی نہ ہوئی، بلکہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس طریقہ یہ اختیار کیا، کہ پہلے ایک انتہائی بدکار قوم کے درمیان ایک پاک اور برگزیدہ ہستی پیدا کی، چالیس برس کی عمر تک اُس شخصیت کو اس قوم کے درمیان ہر قسم کے سابقہ کے ساتھ رکھا، اور اس کی طینت و سیرت کے ایک ایک جزئیہ کی جانچ

اور پرکھ کا پورا موقع دیا، جب یہ سب مراتب طے ہو چکے، اس وقت کہیں جا کر پیام کا نزول شروع ہوا، لیکن اس وقت بھی "پیام" کے پیش کرانے سے قبل "پیام بر" کی شخصیت ہی کو پیش کرایا گیا، اور جب قوم اس شخصیت کے صادق و امین ہونے کا اقرار کر چکی، تب اس سچے کی زبان سے سچی باتیں کہلائی جانی شروع ہوئیں، اس پر بھی سارے پیام کو یک بیک اور دفعۃً نہیں پیش کر دیا گیا، بلکہ پیامبر کی شخصیت پر مختلف اور متعدد دور طاری کر کے ۲۲-۲۳ برس کی طویل مدت میں، بہت ہی تدریج کیساتھ اس پیام کو پہونچایا گیا، پس فطری اور ربانی طریقہ تو یہی ہے، کہ پہلے پیامبر پھر پیام پہلے طبیب پھر نسخہ پہلے ہادی، پھر ہدایت، اب اگر ہم اس ترتیب کو الٹ دینا چاہیں اگر ہادی سے بے نیاز ہو کر ہدایت تک، اور شخصیتوں سے قطع نظر کر کے محض اصول و مسائل تک، پہونچ جانا چاہیں، تو یہ ترتیب ربانی سے جنگ کرنا ٹھہری،

یہ نہ خیال گذرے، کہ یہ طریق دعوت و ہدایت صرف وحی الٰہی کے ساتھ مخصوص تھا، بلکہ رسول اللہ صلعم نے اپنے بعثت کے بعد اپنے قصد و ارادہ کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، آپ نے یہ نہ کیا، کہ قرآن مجید کے نسخوں کی نقلیں کثرت سے کرا کے محض انھیں، اطراف ملک میں بھیج دیا ہوتا، یا اپنے اقوال و سنن کو ضبط تحریر میں لا کر ملک میں ان کے نسخے کی اشاعت کر دی ہوتی، بلکہ آپ نے صحابیوں کی جماعت پیدا کی، اشخاص پیدا کئے، جو اپنی زندگیوں میں آپ کی تعلیم اور آپ کے عمل کے عملی نسخہ تھے، اور دین کی روشنی آپ نے ان زندہ مشعلوں کے ذریعہ سے پھیلائی، اللہ کے رسول (صلعم) نے یہ کبھی نہ کیا، کہ کسی گوشہ میں تشریف فرما ہو کر سکون و خاموشی کیساتھ قلم و کاغذ لے کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے اور حسن عمل و حسن اخلاق پر

مقالات تیار فرمانے لگتے، بلکہ آپ نے اپنی نورانیت سے قلوب کو منور کرنا شروع کیا، اور اپنی پاکیزگی کے عکس سے دوسروں کے سینوں کو پاک بنا دیا، رسول خدا صلعم نے کچھ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں؟ ہاں، بے شبہہ چھوڑیں لیکن وہ کاغذ کے طومار، اور سیاہی کے ڈھیر نہیں، وہ گوشت و پوست کے بنے ہوئے جسم اور تقویٰ و طہارت میں ڈھلی ہوئی روحیں تھیں، ان تصانیف کا شمار ہزارہا تک پہونچتا ہے، چند مشہور ترین کے نام ابوبکرؓ، وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ تھے، پھر یہ حضرات بھی کتابی تصنیف تالیف پر ایک لمحے کے لئے متوجہ نہ ہوئے، انھوں نے بھی زندہ ہستیوں کو اپنے نمونہ پر ڈھالنا شروع کیا، اور اپنے شاگردوں کے جسموں میں اپنی روحیں پھونکنے کا عمل جاری رکھا، "صحابہؓ" "تابعین"، اور "تبع تابعین" یہ سب کون تھے؟ شاگردوں کی جماعت، مریدوں کی جماعت، بیعت کرنے والوں کی جماعت، ارادت رکھنے والوں کی جماعت،

مادی علوم میں آج کون سا علم، اور دستکاری کے پیشوں میں آج کون سا پیشہ ایسا ہے، جسمیں استاد کی مدد لازمی نہیں؟ پھر روحانیت کا علم، جو ان تمام علوم سے زیادہ لطیف، تزکیہ نفس کا فن، جو ان تمام فنون سے زیادہ دشوار، اللہ کی معرفت، جو ہر شے سے زیادہ نازک ہے، ممکن ہے، کہ اسی میں استاد کی ضرورت پڑے، اس سفر میں تو قدم قدم پر رہنما ناگزیر ہے، اسی رہنما یا ایسے استاد کا اصطلاحی نام پیر ومرشد ہے، کہا جاتا ہے، کہ علماء کے ہوتے ہوئے پیروں کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن یہ "مولویوں" اور "پیروں" کی موجودہ تفریق بھی تو ہماری آپ کی قائم کی ہوئی ہے، اسلام اس کا ذمہ دار کب ہے؟ اسلام تو "صادقین"، "متقین"، "مومنین"، "صالحین" "محسنین"، کی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے، اسمیں اس تفریق کا گذر ہی نہیں، وہ ہستیاں

تو علم و عمل، قول و فعل، فقہ و فقر، دونوں کی جامع ہوتی تھیں، یہ تفریق تو سیکڑوں دوسری تفریقوں کی طرح دورِ انحطاط اور امت کی بدبختی و بداقبالی نے پیدا کر رکھی ہے اور وہی اس کی ذمہ دار ہے،

مریدی کا اصلی راز پیر کی صحبت ہے، چنانچہ لفظ صحابی" بھی "صحبت" ہی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے، اور پیر کے مفہوم کی جانب ابھی اشارہ ہو چکا ہے، یعنی وہ شخص جس کے نفس کا تزکیہ اس حد تک ہو چکا ہے، کہ وہ اپنی رفاقت سے دوسرے کے بھی نفس کا تزکیہ کردے، وہ کامل جو دوسروں کو بھی کامل بنا سکے، وہ مصلح جس کی ہمنشینی اور دوسروں کی فطری صلاحیتوں کو ابھار دے، پس مرید ہونے کے معنی اس سے زاید کچھ نہیں، کہ جس کے پاک و صالح ہونے پر بھروسہ ہو، .... جس کے تزکیۂ نفس پر اعتماد ہو، یا بہ اصطلاح صوفیہ جس سے قلب کو "ارادت" ہو، اس کی خدمت میں، اطاعت و نیازمندی کے ساتھ حضوری رکھی جائے، اور یہ مریدی کلامِ مجید کے حکم وکونوا مع الصادقین کی عین تعمیل ہے، پوری آیت کے الفاظ یہ ہیں، یاایھا الذین آمنوا، اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین، گویا محض ایمان کافی نہیں، ایمان والوں سے تو خطاب ہی ہے، ایمان تو پہلے ہی قائم ہو چکا ہے، اب اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اللہ سے تقوی اختیار کرو، صدق دل سے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، ادائے حقوق کرو، وغیرہ، لیکن یہ سارے اعمال بھی کافی نہیں، بلکہ دوسرا حکم یہ ملتا ہے، کہ صادقوں کی معیت اختیار کرو، راست بازوں کی صحبت میں رہو، پاکوں کی پیروی کرتے رہو، اور یہی مریدی ہے،،

اتباعِ رسول صلعم کا نام لیا گیا ہے، لیکن رسول خدا صلعم کی زندگی محض خارجی افعال

اور ظاہری اعمال کے مجموعہ کا نام نہ تھی، پیکرِ خاک کے اندر نور پاک جلوہ گر تھا، اور اس نور کی تجلی ریزیاں ہر گھڑی اور ہر لحظہ ہوتی رہتی تھیں، تمام صحابہؓ ہر حیثیت سے مساوی نہ تھے، اپنا اپنا ظرف اور اپنی اپنی نظر تھی، حضرت خالدؓ میدانِ جہاد کے یکہ تاز ہوئے، حضرت بلالؓ کسی کی نگاہِ ناز کے خود ہی گھائل ہوئے، حضرت ابوہریرہؓ روایت حدیث کی اشاعت کرتے رہے، حضرت ابن عباسؓ کی قسمت میں ترجمان القرآن بننے کی سعادت آئی حضرت حسینؓ بن علیؓ کو خاکِ کربلا میں تڑپنا اور خون میں لوٹنا نصیب ہوا، ہر صاحب کا مذاقِ طبیعت جداگانہ تھا، قدرتاً ایک بڑی جماعت کی توجہ امورِ خارجی پر زیادہ مبذول رہی، اور اس کا بڑی تفصیل سے مطالعہ ہوتا رہا، کہ رسول اللہ صلعم نے نماز میں ہاتھ سینے پر باندھا، یا ناف پر، آمین آہستہ فرمائی، یا آواز سے، لیکن ایک دوسری جماعت بھی برابر موجود رہی، جسکی نظر ظاہر سے زیادہ باطن پر، قال سے زیادہ حال پر رہا کی، یہ وہ خوش نصیب تھے، جنھوں نے محض "فتح مکہ" کی جلوہ طرازیوں کا تماشا نہیں دیکھا بلکہ "غارِ حرا" کی خلوت آرائیوں کا مزہ بھی چکھا، جنھوں نے محض حرض المومنین علی القتال، ہی کا پیام نہیں سنا، بلکہ سبحان الذی اسریٰ کی حقیقت کو بھی پہچانا، اور جنکی نگاہیں محض یہیں تک محدود نہیں رہیں، کہ نماز میں کے رکعتیں پڑھی گئیں، بلکہ یہاں تک بھی پہونچیں کہ نماز کس دل سے پڑھی گئی، کس ذوق و شوق سے ادا کی گئی، اور قلب کے اندر خضوع و خشوع کی کیا کیفیتیں جاگزیں رہیں، شجرۂ تصوف و طریقت کے سرِ سلسلہ یہی بزرگانِ کرام ہوئے ہیں، اس نعمت کے حصہ دار کم و بیش تمام صحابیانِ کرامؓ تھے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس دولت سے مالامال، حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ

حضرت ابو دردا؄ حضرت ابو ہریرہ؄ حضرت معاذ؄ بن جبل حضرت عمران بن حصین؄ حضرت ابو موسیٰ؄ اشعری، وغیرہم تھے، چنانچہ صوفیہ کے قدیم تذکرے انھیں حضرات سے شروع کئے گئے ہیں، اور تصوف کی بعض قدیم ترین تصانیف میں تو حضرت عمر؄ اور حضرت عثمان؄ کو بھی صراحت کے ساتھ اساطینِ تصوف میں شمار کیا ہے،

"شریعت" و "طریقت" کے درمیان کوئی تخالف یا تضاد مطلق نہیں، بلکہ اکابرِ طریقت کے حسبِ تصریح کمالِ شریعت ہی کا نام طریقت ہے اتباعِ رسول صلعم جب تک محض ظواہر تک محدود ہے، اس کا نام شریعت ہے، اور جب قلب و باطن بھی نورانیتِ رسول صلعم سے منور ہوگیا، تو یہی طریقت ہے، ایک شخص نے نماز حسبِ قواعد مندرجۂ کتبِ فقہ پڑھ لی، شریعت کے رو سے یہ نماز جائز ہو گئی، طریقت اسے کافی نہ سمجھے گی وہ اس پر مصر ہو گی، کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی جانب متوجہ رہا، قلب بھی ربِ کعبہ کیجانب متوجہ رہے، اور جس طرح جسم حالتِ نماز میں ظاہری نجاستوں سے پاک رہا، روح بھی باطنی آلائشوں، پریشان خیالیوں سے پاک رہے، یہ شریعت کی مخالفت ہوئی، یا منشاے شرعت کی عین تکمیل؟ حضرت اکبر نے اسی مقام اور اسی منزل کی توضیح اپنے مخصوص انداز میں کی ہے، ؎

شریعت درِ محفلِ مصطفیٰ — طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰ
عبادت سے عزت شریعت میں ہے — محبت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت میں ہے صورتِ "فتحِ بدر" — طریقت میں ہے معنیٔ "شقِ صدر"
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب — طریقت میں حسن و جمالِ حبیب
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ — عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ

آخر یہ ارشاد بھی تو رسول اللہ صلعم ہی کا ایک باخبر سائل کے جواب میں ہے کہ:۔

قال ما الاحسان؟ قال ان تعبد اللہ كانك تراه، فان لم تكن تراه فانه يراك (بخاری کتاب الایمان)

احسان نام اس کا ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے،

پوری حدیث میں ایمان کے معنی بعض عقائد کے بتائے گئے ہیں، اور اسلام کے معنی بعض اعمال کے ارشاد ہوئے ہیں، اس کے بعد، احسان کی یہ توضیح فرمائی گئی ہے، گویا عقیدہ و عمل کے بعد، ایک تیسری منزل، ان دونوں سے بلندتر احسان کی آتی ہے جس کا تعلق محض جاننے اور کرنے سے نہیں بلکہ مشاہدہ و "رویت" سے ہے یہی منزل، تصوف و طریقت کی منزل ہے،

چنانچہ شاہ ولی اللہ نے "اہل تصوف" کے بجائے "اہل احسان" ہی کی اصطلاح اختیار کی ہے، اور شاید "اہل صدق" و "صدیقین" کی اصطلاحیں بھی یہی کام دے سکیں لیکن یہ ساری بحثیں محض لفظی ہیں، سوال صرف یہ ہے، کہ ایمان کے اجزاء، اور اسلام کے ارکان تو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، ایمان و عمل کے ظاہری اور خارجی پہلو تو کتابوں سے دریافت ہو سکتے ہیں، لیکن قلب کو مرتبۂ احسان تک پہونچا دینا تزکیۂ باطن، تجلیۂ نفس، تطہیر اخلاق، بغیر ایک زندہ شخصیت، بغیر ایک مرشد کامل کی وساطت کے کیونکر ممکن ہے؟ جو قانون اور ضابطے کتابوں میں درج کرنے والے تھے، حدیث و آثار و فقہ کی کتابوں میں مدون ہوتے رہے، لیکن جن چیزوں کا تعلق وجدانیات و کیفیات سے ہے، وہ تحریر میں کیونکر آ سکتی تھیں، وہ تو ایک قلب سے دوسرے قلب پر اپنا عکس ڈال سکتی ہیں،

یہ مرشد کوئی خودرو اور خودرائے ہستی نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح آپ قرآن کی

ساری عبارت کو محض سندِ متصل کی بنا پر، کلام الٰہی مانتے چلے آتے ہیں جس طرح آپ
بخاری کی کسی روایت کو محض اس لئے کلامِ رسول صلعم تسلیم کر لیتے ہیں، کہ وہ معتبر سند
مسلسل کے ساتھ رسول اللہ صلعم سے روایت ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح اس مرشد کا قلب
بھی ایسے ہی مضبوط واسطوں کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک سے ملا ہوا
ہوتا ہے، اس کا رابطۂ روحانی بھی، ایسی ہی زنجیر کی مضبوط کڑیوں کی طرح سرچشمۂ تقدیس
و روحانیت سے جڑا ہوا ہوتا ہے، جس طرح امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ رحمہ اللہ ان کی ترتیبوں
کو ٹھنڈا رکھے)، "آثارِ رسول" (صلعم) و "اخبارِ رسول" (صلعم) کو اپنے صحیح دفتروں میں ضبط و
فراہم کرتے رہے، اسی طرح حسن بصریؒ و جنیدؒ "اسرارِ رسولؐ"، "انوارِ رسولؐ"، سے
اپنے سینوں کو منور کرتے رہے، اُدھر رسولؐ کا قال ایک سفینے سے دوسرے سفینے میں نقل ہوتا رہا، ادھر رسولؐ
کا حال، ایک سینے سے دوسرے سینے کو طوبیٰ سینا بناتا رہا، دونوں شعبوں کی جامعیت عہدِ صحابہؓ ہی میں صرف
تھوڑے سے خوش نصیبوں کے حصے میں آئی، پھر آج چودھویں صدی میں اس کی
تلاش پر کیوں اصرار ہے، تاہم زمانہ اب بھی یکسر خالی نہیں، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
اور مولانا شاہ بدرالدینؒ کی مبارک ہستیاں اسی چودھویں صدی میں تھیں،

سوال کیا گیا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق
کی اصلاح کر لینا چاہے، تو کیا یہ ممکن نہیں"؟ جواب میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے،
کہ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل سلیم کی مدد سے خالق و مخلوق کے حقوق پوری طرح
ادا کرنے لگے تو کیا یہ کافی نہیں"؟ نہیں اور یقیناً نہیں، اگر محض عقل سلیم اور صلاحیت فطری
خدا شناسی کے لئے کافی ہے، تو کیا کتابوں کے نازل کرنے، انبیائے کرامؑ کے بار بار بھیجنے
اور ان سے منکرین کے جدال و قتال کا سارا نظام، معاذ اللہ بیکار و عبث ہی ٹھہرتا ہے،

یہ تنگی نہیں عین وسعت، اور سختی نہیں عین رحمت ہے، کہ دین اور معرفت دین کی نزاکتوں کا بار محض قوائے عقلی پر نہیں ڈال دیا گیا بلکہ اس کے لئے قوائے عقلی سے کہیں برتر و بلند تر قوت، وحی الٰہی سے امداد بہم پہونچائی گئی، اور اس نعمت غیر مرئی کو اجسام انبیائے کرام کی شکل میں مرئی و مجسم کرکے پیش کیا گیا، اور دنیا پر ان کی پیروی فرض کی گئی، لفظ فرض اچھی طرح ذہن میں رہے، محض مستحب یا مستحسن نہیں، انبیائے کرام خصوصاً سب سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرض اور قطعی فرض ہے، اگر آج کوئی شخص محض عقلی دلائل سے، یا اپنے باطن کی اشراقیت کو بیدار کرکے، اس نتیجے تک پہونچ جاتا ہے کہ صحیح عقیدہ، عقیدہ توحید ہے، اور نماز اور روزہ وغیرہ میں بیشمار فوائد ہیں، تو ایسے شخص کا شمار ہرگز مسلموں میں نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اس نے ان مسائل کو صحیح راستہ سے پیروی رسول صلعم سے اتباع وحی سے، نہیں حاصل کیا، مسلم بننے کے لئے، رسول کے لائے ہوئے دین کی، رسول صلعم کے نمونے کی پیروی لازمی ہے، اور اسلام اور عدم اسلام کے درمیان یہی ایک شے فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہے۔

جب پیروئ رسول ناگزیر ٹھہری، تو سوال یہ ہے، کہ پیروی رسول صلعم کے معنی کیا ہیں؟ کیا محض الفاظ رسول صلعم کو قبول کر لینا مراد ہے؟ کیا محض ہیئت عبادت رسول صلعم کا اقتدا مقصود ہے؟ کلام مجید میں ایک جگہ نہیں، متعدد بار، اور کنایۃً نہیں صراحۃً اتباع رسول کا حکم وارد ہوا ہے، جہاں کہیں بھی یہ حکم آیا ہے، اپنی مطلق و غیر مقید صورت میں آیا ہے، یہ نہ کہیں ارشاد ہوا ہے، نہ کہیں سے یہ نکلتا ہے کہ امت کے لئے رسول صلعم کے صرف ظاہر کی پیروی کافی ہے اور باطن کی پیروی غیر ضروری ہے، رسول اللہ صلعم جس طرح ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کا حکم بلحاظ اپنی

نماز کی تعداد رکعات کے، رکوع و سجود کے، قیام و قرات کے رکھتے ہیں، اسی طرح وہ نماز میں خضوع و خشوع کے لحاظ سے، ذوق و وجد کے لحاظ سے کیف و استغراق کے لحاظ سے بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کے حکم میں داخل ہیں، پس جب باطنِ رسول صلعم کی پیروی بھی ویسی ہی ضروری ٹھہری جیسی ظاہرِ رسول صلعم کی، تو اب ارشاد ہو کہ اس پیروئی باطن کی صورت کیا ہے؟ رسالت صلعم کے لفظ اور ظاہر کی پیروی تو کتابوں کے ذریعہ سے ممکن ہے، پر معنی اور باطن کی پیروی کا کیا ذریعہ ہے؟ اخبارِ رسول صلعم تو مجلدات کے الٹ پلٹ سے ہاتھ آسکتے ہیں لیکن انوارِ رسول صلعم کا عکس کس آئینہ میں نظر آسکے؟ رسول صلعم کی بعثت کے،

بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة، اصلی مقاصد کلام مجید میں امت پر تلاوتِ آیات کے بعد دو بتائے گئے ہیں، ایک تزکیۂ نفوس، دوسرے تعلیم تشریح کتاب و حکمت، تشریح کتاب و حکمت کا سامان تو امام بخاری و امام مسلم کی وساطت سے بحمد اللہ ہو گیا، لیکن اس سے بھی مقدم تر مقصد "تزکیہ"، کی آخر کیا صورت ہے؟ "مرشد کی تلاش"، "ایک زندہ نائبِ رسول صلعم کی بیعت" انھیں سوالات کا جواب ہے؟

یہ مرشد صحیح معنی میں "مقلد"، ہوتا ہے، "آئینہ کے پیچھے "طوطی صفت"، رہکر "استادِ ازل"، کے سبق کی تکرار کرتے رہنے سے اس کا کام زائد نہیں، کوئی نئی ریاضت، کوئی نیا مجاہدہ، ایجاد و اختراع کرنا ہرگز اس کا کام نہیں، لیکن اجتہاد و استنباط کا دروازہ تو مقلدوں کے ائمۂ فقہ، اور غیر مقلدوں کے ائمہ حدیث، دونوں کے لئے کھلا ہوا ہے، پھر رحمتِ عام کا دروازہ غریب صوفی ہی کے حق میں کیوں بند کر دیا جائے؟

وہ ایجاد و اختراع کی بدعت سے یقیناً بچے گا، لیکن جس طرح اہل ظاہر اپنے فہم و قیاس و استنباط کو معطل نہیں کر دیتے، وہ بھی اپنے کشف، اپنے وجدان، اپنے اشراق کو سرے سے معطل نہ کر دیگا، وہ نسخہ جب کبھی بھی لکھے گا، یقیناً شفاخانہ نبوت ہی کے قرابادین سے لکھے گا، لیکن مریض کے مزاج و خصوصیات، موسم کے حالات، آب و ہوا کے اثرات وغیرہ کی مناسبت سے اجزائے نسخہ کی ترکیب اس کی اپنی ہوگی، یہ اس کی خودرائی نہیں، عین تقلید، بدعت نہیں، عین پیروی سنت ہوگی،

بڑی مصیبت یہ آن پڑی ہے، کہ دلیل کے مقدمات میں مثالیں بہروپیوں اور جعلسازوں کی پیش نظر رہتی ہیں، اور نتائج نکالتے وقت سرے سے اصلیت و حقیقت سے انکار کر دیا جاتا ہے! یہ کہاں کا انصاف ہے، کہ اگر پیتل کی چمک دمک پر آپ کو کئی بار سونے کا دھوکا ہو چکا ہے، تو اب آپ سرے سے سونے ہی کے وجود سے منکر ہو چلے ہیں، ! کہا جاتا ہے، کہ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق ہے، تو پیروں کی جماعت آج کہاں تک اس فرض کو ادا کر رہی ہے؟ سوال معقول ہے، لیکن تلاش کو یہیں ختم نہ ہو جانا چاہیے، بلکہ مزید سوالات یہ بھی پیش ہونے چاہئیں، کہ آج علماے ظاہر کہاں تک اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہیں، قومی رہنماؤں میں سے کتنوں کے عمل ان کے دعووں کے موافق ہیں، ؟ اخبارات کے ایڈیٹروں میں کس قدر خلوص و صداقت ہے؟ مسلمان تاجروں کو کہاں تک دیانت و اکل حلال کا خیال ہے؟ وقس علی ہذا، ظاہر ہے کہ اگر قوم کا کوئی طبقہ بھی اپنے اصلی معیار پر قایم ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا ہی کیوں نصیب ہوتا، لیکن بدوں کی اکثریت کی بنا پر نیکوں کی قلیت سے منکر ہو جانا ہرگز نہ شریعت کے مطابق ہے نہ عقل کے، ع

نفیِ حکمت مکن از بہر دلِ عامے چند

تصوف کے ہزاروں سینکڑوں بدنام کرنے والوں کے ہجوم میں کچھ سچے صوفی تو اس وقت بھی موجود ہیں،
حضرت شاہ ولی اللہؒ القول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں، کہ رسم بیعت مسنون ہے، اور بیعت صرف بیعتِ خلافت تک محدود نہیں، بلکہ عہد نبویؐ میں بیعت کی متعدد صورتیں رائج تھیں، مثلاً بیعتِ اسلام، بیعتِ ہجرت، بیعتِ جہاد، بیعتِ توبہ، وغیرہ، اور صوفیہ کی مروجہ بیعت، بیعتِ تقویٰ، کی قسم میں داخل ہے، خلفاے راشدینؓ کے زمانے میں تو اس بیعت کی علیحدہ ضرورت ہی نہ تھی، اس لئے کہ صحابہؓ کے قلوب و نفوس شرفِ صحبتِ رسول صلعم سے خود ہی نورانی تھے، خلفاے راشدینؓ کے بعد فتنہ کے خوف سے اور بیعتِ خلافت کے ساتھ اشتباہ والتباس کی بنا پر یہ بیعت موقوف رہی، اور صوفیہ اس بیعت کا قائم مقام خرقہ کو سمجھتے رہے، پھر جب ملوک و سلاطین کا دور آیا، اور بیعتِ خلافت بند ہو گئی، تو صوفیۂ کرام نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر سنتِ بیعت کی از سرِ نو تجدید کی، آگے چل کر حضرت شاہ صاحب جہاں بیعت لینے والے مرشد کے اوصاف کو شمار کراتے ہیں اس کی ایک خصوصیت یہ فرماتے ہیں :-

والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ وتادب بھم دھرًا طویلاً واخذ منھم النور الباطن والسکینۃ وھذا لان سنۃ اللہ جرت بان الرجل لا یفلح الا اذا رای المفلحین کما ان الرجل لا یتعلم الا بصحبۃ	پانچویں شرط یہ ہے، کہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان سے طویل عرصہ تک ادب حاصل کیا ہو اور ان سے نور باطن اور اطمینان حاصل کیا ہو، اور یہ شرط اس لئے ہے، کہ سنت الٰہی یوں جاری ہے، کہ کسی انسان کو مراد نہیں ملتی، جب تک اس نے مراد پانے والوں

العلماء وعلی هذا القیاس غیر ذالک من الصناعات،

کو نہ دیکھا ہو، جس طرح علم نہیں حاصل ہوتا بغیر صحبت علماء کے اور علی ہذا القیاس دوسرے پیشے بغیر استاد کے،

مضمون یوں ہی بہت طویل ہو گیا ہے، اگر مزید طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا، تو حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کی، کہ حصول فیض کے لئے کسی زندہ شخصیت کی صحبت لازمی ہے، کلام مجید سے تشریح کیجاتی، اور مرشد کی ضرورت نیز آداب مرشد پر واقعۂ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ سے استدلال کیا جاتا، نیز انسان کے آگے جو حقیقۃً خلیفۃ اللہ ہے، سر نہ جھکانے کی وعید پر واقعۂ حضرت آدمؑ و ابلیس سے روشنی ڈالی جاتی، وہیں رسوم صوفیہ، اور خرقہ، ذکر، وغیرہ، سو ان کا کوئی لازمی تعلق تلاش مرشد و مقصد بیعت سے نہیں، تاہم اگر ان رسوم کی مسنونیت اور سلاسل صوفیہ کی سند رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک معلوم کرنے سے دلچسپی ہو تو شیخ قشاشی کی السمط المجید ملاحظہ کیجا سکتی ہے، جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شایع ہو چکی ہے،

ایک ضمنی سوال یہ تھا کہ حدیث نبوی صلعم من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاہلیۃ سے کیا مراد ہے؟ مجھے جہاں تک علم ہے، ان الفاظ کے ساتھ صحاح میں کوئی حدیث مروی نہیں، یہ روایت شاید طبرانی کی ہے اور محققین فن کے نزدیک قابل احتجاج نہیں، تاہم اس سے ملتی ہوئی روایات صحاح میں موجود ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ:-

لیس احد یفارق الجماعۃ شبرًا فیموت

جو کوئی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوگا

الا مات میتۃ جاھلیۃ، اور مرجائیگا تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی!

حدیث کا مفہوم واضح ہے، متابعتِ امام ولزومِ جماعت کی تاکید، امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام میں باب السمع والطاعۃ للامام ما لم تکن معصیۃ (امام کی اطاعت کرنا جب تک کہ گناہ نہ ہو) کے تحت میں اسے رکھا ہے، اور دوسرے محدثین کرامؒ اس مضمون کی حدیثوں سے لزومِ جماعت و اطاعتِ امیرامت وامامِ جماعت کا مفہوم نکالا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے، کہ ایسے ارشادات نبویؐ کی موجودگی میں پھر سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا کیا حشر ہوگا، ترک موالاتِ حکومت کے فتاوے، امارت شرعیہ کا قیام، خلافت کمیٹیوں کا نظام، یہ سب اسی سوال کے جوابات کی کوششیں ہیں،

مصنف کی دوسری کتابیں

ملفوظات مولانا روم

حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی کے فارسی ملفوظات، جو حقائق و معارف کا ذخیرہ ہین اور جو اب تک شائع نہین ہوے تھے، مطبع معارف مین چھپ کر شائع ہوئے ہین، شروع مین مصنف کا لکھا ہوا اردو مقدمہ ہے جسمین مولانا کی سوانحعمری اور ان کی تصنیف پر تبصرہ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ قیمت :- عہ

فلسفۂ جذبات

فلسفیات کے شعبۂ نفسیات کو علمی حیثیت سے سب سے پہلے بہترین طریقہ سے مولوی عبدالماجد صاحب بی اے ہی نے روشناس کیا، اس کتاب مین اسی علم کے شعبۂ جذبات پر ادیبانہ طریقہ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، حیات انسانی کے مطالعہ کے لیے اس کا دیکھنا ازبس ضروری ہے، قیمت :- عہ

پیام امن

اسباب جنگ و تدابیر امن پر عقل و نقل، فلسفہ و مذہب کی روشنی مین محققانہ بحث مشہور فرنچ فلسفی موسیو پال رچڑد کے خیالات کی ترجمانی، باضافۂ تبصرہ و حواشی و ضمیمہ جات قیمت ... ۱۲

مثنوی بحر المحبت

شیخ مصحفی کی غیر مطبوع مثنوی بحر المحبت کو مؤلف نے بہ تصحیح و تحشیہ و اضافہ اور عالمانہ مقدمہ و تبصرہ سے مالامال کر کے دنیاے اردو کے سامنے پہلی مرتبہ پیش کیا ہے قیمت :- ۸ ؍

منیجر

سلسلۂ برکلے

اس سلسلہ میں تین کتابیں داخل ہیں

مکالمات برکلے

برکلے کے "ڈائلاگس" کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے اپنے خاص فلسفہ کی تشریح کی ہے، از مولوی عبدالماجد بی اے، قیمت قسم اول ؏ قسم دوم ؏،

برکلے

اس مجموعہ میں برکلے کے سوانح اس کی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقدانہ تلخیص اور اسکے فلسفۂ تصوریت کی تشریح و تنقید ہے، از پروفیسر عبدالباری ندوی، قیمت :- ؏،

مبادی علم انسانی

برکلے کی سب سے معرکۃ الآرا کتاب "پرنسپلز آف ہیومن نالج" کا ترجمہ جس میں مادہ کا ابطال ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہیں" از پروفیسر عبدالباری ندوی قیمت :- ؏

منیجر
دارالمصنفین، اعظم گڈہ